آئینۂ جہلم
مقبول حسین بھٹی

آئینہ جہلم

مقبول حسین بھٹی

ناشران مقبول حسین بھٹی
حج فاؤنڈیشن فریڈرکس برگ والے ۳،
این ۔ وی ۲۴۰۰ کوپن ہیگن ڈنمارک
ابطہ (پاکستان) :- جناب اقبال کوثر، محلہ مغربی کالا گوجراں، جہلم

انتساب

بچپن کے عزیز ترین دوست چوہدری محمد الیاس

کے نام۔

مقبول حسین بھٹی

نام کتاب	آئینہ جہلم
مرتب	مقبول حسین بھٹی
اہتمام	شاہد حمید
مطبع	فرینڈز پرنٹرز
	اقبال روڈ جہلم
سرورق	ارشد کمال
تصاویر	ایم رفیق اویسی
	اویسک سٹوڈیو جہلم
قیمت پاکستان	سو روپے
قیمت ڈنمارک	۱۰۰ کرونز
قیمت انگلینڈ	۱۰ پونڈ
قیمت امریکہ	۱۵ ڈالر

Maqbool Hussain Bhatti

FREDERIKSBORGVEJ 37
2400 COPENHAGEN NV
DENMARK

OFFICE: 38884666
MOBILE: 20220721
HOME: 39698178
PAKISTAN 0591-612298

فہرست

پیش لفظ

انسان پیدا ہو کر جہاں آنکھ کھولتا ہے جس آنگن میں اس کا بچپن گزرتا ہے جن گلی کوچوں میں وہ کھیل کود کر لڑکپن کی سرحد عبور کرتا ہے اور جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتا ہے ۔ وہ فضائیں اور وہ ہوائیں اس کے خون میں رچ بس جاتی ہیں ۔ اس دھرتی کی بو باس جس پر رینگ رینگ کر اس نے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا سیکھا تھا اس کے خمیر کا حصہ بن جاتی ہے اس دھرتی کی مٹی کا رنگ اسکی شخصیت کی تصویر کے مختلف رنگوں میں یوں گھل مل جاتا ہے کہ تصویر کے ہر رنگ میں جھلکتا ہے ۔ انسان جہاں بھی رہے ۔ جس دیس کو بھی چلا جائے ۔ بچپن کا گھر آنگن اور گلی کوچے اس کے ساتھ جاتے ہیں ۔ وہ ان سے کبھی نکل نہیں سکتا ۔ بچپن اور لڑکپن ایک سہانا خواب بن کر اس کے لاشعور میں ہمیشہ موجود رہتے ہیں ۔ جوانی کتنی ہی رنگینیوں میں کیوں نہ گزرے زندگی میں کتنے ہی عیش و آرام کیوں نہ میسر ہوں بچپن اور لڑکپن کی یادوں کا طلسم بہرحال قائم و دائم رہتا ہے اور انسان ہمیشہ یادوں کے ان سہانے سپنوں کو اپنے سینے سے لگائے رہتا ہے ۔

مقبول حسین بھٹی صاحب ربع صدی سے ڈنمارک میں مقیم ہیں ۔ وہاں عیش و آرام سے زندگی گزار رہے ہیں وہاں کی سماجی ثقافتی اور ادبی سرگرمیوں میں بڑا فعال کردار ادا کر رہے ہیں مگر لاشعوری طور پر وہ ابھی تک جہلم میں ہی رہ رہے ہیں وہ شہر جو ان کا مولدو مسکن ہے ۔ جہاں انہوں نے آنکھ کھولی جہاں ان کا بچپن گزرا جہاں وہ پل بڑھ کر جوان ہوئے ۔ وہ ڈنمارک میں رہتے ہوئے اپنے اردگرد کے ماحول کے بارے میں اتنا نہیں سوچتے رہے جتنا وہ جہلم کے بارے میں سوچتے رہے جو ان کے بچپن اور لڑکپن اور عنفوان شباب کا جہلم ہے بلکہ وہ خود جہلم

شہر کے بچپن اور لڑکپن کے بارے میں بھی غور و خوض کرتے رہے ہیں ۔ اپنے ماضی کی کشش نے انہیں جہلم کے گم شدہ ماضی کی تلاش و جستجو کے شوق میں مبتلا کر دیا ۔ اور جیسا کہ انہوں نے خود بتایا ہے انہوں نے بیس سال اس تلاش و جستجو میں لگا دیئے گویا جہلم کا ماضی ان کے لئے کوچۂ یار سے کم نہ تھا جہاں سے نکلنے کو ان کا جی ہی نہیں چاہا ۔ اب بھی وہ اس کوچے سے کب نکلے ہیں بلکہ اپنی تلاش و جستجو اور تحقیق و تجسس کا ثمر اس کتاب کی صورت میں اپنے ساتھ ہی لئے ہیں جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ مقبول حسین بھٹی کی یہ کتاب جہلم سے ان کی محبت کا منہ بولتا ثبوت ہے ۔

جس طرح حفیظ جالندھری نے کہا تھا کہ

تشکیل و تکمیل فن میں جو بھی حفیظ کا حصہ ہے
نصف صدی کا قصہ ہے دو چار برس کی بات نہیں

اسی طرح مقبول حسین بھٹی صاحب کی یہ تصنیف بھی دو چار برس کی بات نہیں بلکہ ان کی بیس پچیس سال کی محنت اور تحقیق و جستجو کا نتیجہ ہے ۔ جہلم شہر خوش قسمت ہے کہ اسے بھٹی صاحب کی صورت میں ایک تذکرہ نگار مل گیا ۔ جس نے اس کی کہانی ایسے مزے لے لے کر بیان کی ہے جیسے کوئی عاشق اپنی محبت کی داستان سناتا ہے ۔

اس کتاب کی تصنیف و تالیف میں بھٹی صاحب نے جہلم شہر کے بارے میں جو معلومات اب تک لکھی جانے والی مختلف کتابوں اور تحریروں میں موجود تھیں ان سب سے بھرپور استفادہ کیا ہے ۔ ان کی

کوشش یہ رہی ہے کہ یہ گلدستہ جو وہ اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں اس میں کسی پھول کی کمی نہ رہ جائے۔

تاریخ جہلم پر ان کی کتاب ایک نہایت قابل قدر پیش کش ہے جو صرف ضلع جہلم کے باسیوں کے لئے ہی ایک انمول تحفہ نہیں بلکہ اہل پنجاب کے لئے بھی اس کتاب کا مطالعہ بڑی دلچسپی کا باعث ہو گا۔ کوئی بھی اچھی لائبریری اس کتاب کے بغیر مکمل نہیں ہو گی۔

جمیل یوسف

دیباچہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لیجئے میری کتاب حاضر ہے

اس کتاب کو مکمل کرنے میں کوئی اٹھارہ انیس سال کا ایک طویل عرصہ تو ضرور لگا ہے۔ لیکن سچ پوچھئے تو میرے جیسے ایک ادنی سے شاعر بلکہ متشاعر کے لئے مشق گہ نظم و غزل چھوڑ کر ایک تاریخی کتاب کا مرتب کرنا، اور وہ بھی تحقیق و تدقیق کی کسوٹی پر! کچھ آسان کام نہ تھا۔

اس کتاب کا اصل محرک یہ ہوا کہ ۱۹۷۵ء میں جب میں اپنے آبائی وطن میں اپنے مکان کی تعمیر کی غرض سے کچہری میں پرانا ریکارڈ دیکھ رہا تھا تو اچانک ذہن اس کتاب کی تصوراتی آماج گاہ بن گیا۔ بس وہ دن تھا اور آج کا دن میں ہوں اور یہ کتاب

سچ ہے کہ قدرت نااہلوں سے بھی کام لے لیتی ہے کہاں مجھ جیسا ہیچمداں اور کہاں یہ تصنیف و تالیف کا بازار یوسفی میرے عزیز دوست جناب اسلام ساقی بھی خوب ہیں مجھے اس کوچے میں لانے میں ان کا ہاتھ کچھ کم نہیں ہے ایک دن بولے کہ بھئی! اپنی زندگی پر بھی ایک کتاب لکھو۔ کلام الامام امام الکلام میں اگر اپنی سوانح عمری لکھتا بھی تو اس میں بھلا قارئین کی دلچسپی کا کیا سامان ہوتا۔ تو معلوم یہ ہوا کہ کبھی

یوں بھی ہوتا ہے کہ مقصود تو کچھ اور ہوتا ہے اور بات کچھ اور کی جاتی ہے۔
بہرکیف، زیر نظر کتاب کا خاکہ جب ذہن میں آیا تو مجھے کچھ یوں لگا جیسے ڈھونڈتے کو کچھ مل گیا ہو۔ لیکن تازہ واردان بساط ہوائے دل کا جو حال کوچہ عشق و محبت میں ہوتا ہے کوچہ تحریرو ترتیب میں اس سے کچھ کم مشکلات اور دشواریاں مجھ نووارد کے لئے بھی نہ تھیں۔ کم مائیگی بلکہ بے مائیگی جہاں ایک طرف میری مجبوری تھی وہاں یورپ بلکہ سکنڈے نیویا کے ملکوں میں رہتے ہوئے سات سمندر پار اپنے دیس، اپنی جنم بھومی کی فضاؤں میں چھپی داستان کو سمیٹنا دوسری اور سب سے بڑی مجبوری تھی۔
آپ سوچ رہے ہونگے کہ دیس اور اپنی جنم بھومی، جس کا ذکر اتنی دیر سے ہو رہا ہے، اس کا نام ابھی تک سامنے نہیں آیا۔
جی ہاں، جہلم کی وادی میری جنم بھومی ہے۔ جہاں یہ راقم یکم جنوری ۱۹۳۹ء میں کالا گجراں میں پیدا ہوا تھا۔ ڈھائی تین سو سال پیشتر راجپوت خاندان کے ایک چشم و چراغ جناب نور محمد بھٹی جو کشمیریوں میں معروف ہستی کے مالک تھے ان کے ایک بیٹے جن سے اس راقم کا نسبی و صلبی تعلق ہے، وادی جہلم میں آباد ہو گئے تھے انہی کی اولاد (نور وٹیئے) یا نور بھٹی کا خاندان یہاں آج بھی کشمیری برادری میں جانی پہچانی جاتی ہے جبکہ نور محمد بھٹی صاحب کے دوسرے دو بھائی سیالکوٹ اور گجرات نقل مکانی کر کے آباد ہو گئے تھے
وادی جہلم صرف میری جنم بھومی نہیں، یہ ان گنت باسیوں کا وطن اور جنم بھومی ہے سرزمین جہلم ایک وادی ہی نہیں، ایک قدیم ترین تہذیب اور ثقافت کا بھی نام ہے جس کی اپنی ایک مستقل تاریخ ہے اور اس طرح اس کا تعلق صرف ہم سے ہی نہیں بالواسطہ بھی بلاواسطہ بھی پوری انسانیت کی تمدنی تاریخ سے بھی ہے بس اسی تعلق

اور حوالے سے یہ چند حقائق ہیں۔ جنھیں قارئین تک پہنچانے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں اور گویا یہ مجھ پر ایک قرض تھا جسے چکا رہا ہوں۔

شکریہ کے مستحق ہیں جناب مسعود احمد خان جناب نصر ملک اور جناب ملک رشید جنہوں نے ڈنمارک میں پاکستان سٹڈی سینٹر قائم کیا اور مجھے اس کا انچارج بنا کر مطالعہ کتب کے مواقع فراہم فرمائے جناب مسعود احمد خان کی علمی شخصیت کے ساتھ چونکہ کافی عرصہ ٹورزم میں بھی کام کرنے کا موقعہ ملا ہے اس لئے اس سے یہ فائدہ ہوا کہ مطالعہ کو نئی جہتیں ملیں۔ جناب محمد اسلم رانا کا تو یوں رہین منت ہوں کہ انہوں نے اس کوچہ میں مجھے بڑا سہارا دیا اسی طرح شکریہ کے مستحق ہیں جناب اقبال اختر اور جناب شمشیر سنگھ شیر بھی کہ ان کی حوصلہ افزائیاں قدم بقدم میری معاون رہیں۔

میں ایک بار پھر اعتراف کرتا ہوں کہ میں اس کوچہ میں نووارد ہوں۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ جو کچھ پیش کر رہا ہوں اس میں مورخانہ دیانت کا دامن میں نے ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے اور جیسا کہ جابجا حسب ضرورت حوالہ جات اس کے مظہر ہیں پھر بھی اگر کوئی کوتاہی یا خامی رہ گئی ہو تو میں اس کی نشاندہی پر مشکور بھی ہوں گا اور اگلے ایڈیشن میں اس کی اصلاح کے لئے بھی بہ صمیم قلب آمادہ ہوں۔

میں نے ایک کیاری میں پھول لگائے پھر دیکھا کہ پتیاں کانپ رہی ہیں تتلیاں بے چین ہیں، کلیاں، انگڑائیاں لے لے کر جاگ رہی ہیں اور مجھے یقین ہو گیا کہ ہر شے تکمیل کے لئے بیتاب ہے میں شبنم کے موتیوں کا ہار پرونے کے لئے پھول کی طرف لپکا تو شبنم کرنوں کے پر لگا کر اڑ گئی میں نے پھول توڑنے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو پتیاں جھڑ گئیں میں اداس ہو گیا معاً" ایک پتی بول اٹھی کملے آنسو نہ رول اور ان بہاروں کو آواز دے جو تیری روح میں خوابیدہ ہیں۔

غروب آفتاب کے بعد جب جھینگروں کے گیت بند ہو گئے کوہساروں کی چوٹیاں

اداس نظر آنے لگیں اور کائنات پہ اک مہیب سناٹا چھا گیا تو میں نے من کی جھیل سے کنول کا ایک پھول توڑ کر عروس شب کی زلفوں میں ٹانک دیا۔

تیری محبت کے گیت میری روح کی وادی میں یوں گونج رہے ہیں جس طرح بن میں مور کی سریلی آواز یا بادلوں میں پپیہے کی پکار .... نہ جانے شہد کی مکھی ان گیتوں کو کیسے سن لیتی ہے جو پھول کے ضمیر میں پنہاں ہیں اور یہ ان گہرائیوں تک کیونکر پہنچ جاتی ہے جہاں شہد کے خزانے پوشیدہ ہیں اور میں بے کس اور مجبوری کی دستار سر پہ سجائے ہاتھ میں سچائی کا علم لئے حقیقتوں کی تلاش میں کئی صدیاں پیچھے چلا گیا۔ باغ ادب کے حسین گوشوں سے من کے پھول چنے' محبت اور چاہتوں کی طشتری میں سجا کر جب دیکھا تو وہی تو میری ابتداء تھی میری سرزمین جنم بھومی۔ میری جائے پیدائش۔ فقیروں کا مسکن۔ درویشوں کی عبادت گاہ - بہارون کی سرزمین - شاعرون کا خیال - رشیوں کا معبد خانہ۔ سکندر کی گزرگاہ۔ ہند کا دروازہ - صدیوں پرانی یادوں کا مدفن۔ میرا شہر جہلم - اس گلدستے میں تقریباً ۳۰ گلستانوں کے پھول ہیں اور ہر پھول بہترین عقل کی کیاری میں تجربات اور مشاہدات کی آباد کاری اور تحقیقات کی روشنی میں کھلا ہے۔ اس کی خوشبو قارئین کے اذہاں کو کس طرح مہکاتی ہے اس کا انحصار آپ کے ذوق پر ہے۔

مقبول بھٹی

جہلم کی قدیم تاریخ

جہلم

آریہ جہلم کی ہندو پاک میں آمد سے پہلے اس علاقے میں منڈا قبائل، کول اور دراوڑ اقوام بستی تھیں، منڈا قبائل جو کہ ہندو پاک کے قدیم ترین باشندے تصور کئے جاتے ہیں۔ اور ان کے بعد آنے والی کول، دراوڑ اور قدیم آریہ اقوام کے حالات و واقعات کی بابت تاریخ کی کوئی مفصل کتاب دستیاب نہیں ہوتی، اس لئے مورخین کے لئے مجبورا رگ وید، را مائن، بھگوت گیتا، مہا بھارت، البیرونی کی کتاب الھند، کشمیری پنڈت کلہن کی راج ترنگنی، علامہ ابوالفضل کی آئین اکبری، یونانی سفیر میگا ستھنیز اور چینی سیاح فاہین اور ہیون سانگ کے سفرنامے اور عوامی حکایات اور مقامی روایات ہی تاریخی مواد کے اولین ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں اور ہمارا تمام تر تاریخی ادب اسی اولین تاریخی ماخذ کا مرہون منت ہے۔ اس کتاب کو ترتیب دینے کے لئے تاریخ کے اس قدیم ماخذ سے استفادہ کیا گیا ہے۔

اگر آپ جہلم کے زمانہ ماضی کے مختلف گوشے اور مناظر اپنی چشم تصور کے سامنے لائیں تو آپ کو کہیں منڈا قبائل اور آرین کی معرکہ آرائیاں' کہیں ایرانی بہادروں اور ہندوپاک کے سورماؤں کی شمشیر زنی کے خونیں منظر اور کہیں سکندر اعظم کے مہیب جنگی گھوڑوں اور پورس کے خونخوار ہاتھیوں کے خوفناک تصادم نظر آئیں گے۔ اور کہیں بدھ مت کے بھکشوؤں کی روشن ضمیری کی تنویریں' ہندو پاک کو بقعہ نور بنا رہی ہوں گی۔ اور کہیں جگت کے بھگت گورو گورکھ ناتھ اور باوا بالناتھ کے گیان۔ دھیان اور وجدان کی خاموش آوازیں ذہنوں کو جلا' فکر کو پرواز اور دلوں کو سکون بخش رہی ہوں گی۔ اور کہیں مسلمان صوفیا کے دست معجز نما' ایوان الوہیت کے در کھول رہے ہوں گے۔ اور کہیں غازیان اسلام کے نعرہ تکبیر کی بجلی خرمن باطل پر گرتی دکھائی دے گی۔ غرض کہ جہلم کی تاریخ کے اوراق رنگا رنگ کیفیتوں' تخریبی و تعمیری حالتوں اور زندگی کی تازہ بہ تازہ اور نوبہ نو قدروں سے مزین ہیں۔

اس اجمال کی تفصیل تک رسائی حاصل کرنے کے لئے جہلم شہر اور اس کے گردونواح کے تاریخی مقامات اور ان کے کھنڈروں کے حالات و واقعات سے آگاہ ہونا از حد ضروری ہے اس ضمن میں کوہستان نمک' کٹاس گرجاکھ' قلعہ ملوٹ' منگلا' قلعہ رہتاس' کوہ بالناتھ اور موجودہ شہر جہلم کا وہ بلندو بالا تاریخی ٹیلہ جو کہ سٹی تھانہ کے اوپر واقع ہے۔ جہاں پر حضرت معصوم شاہ کا مزار ہے اور محکمہ ریلوے کے آفیسروں کے بنگلے بنے ہوئے ہیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

جہلم آریائی قوم کے عہد میں

آج سے تقریباً چار ہزار برس پہلے آریہ قوم وسط ایشیا میں سکونت پذیر تھی۔ اس قوم کے افراد حسین و جمیل' بلند قامت' مضبوط ارادوں کے مالک' جوشیلے' بلند ہمت اور سرخ و سفید رنگ کے جوان تھے۔

جب اس قوم کو اپنے ملک وسط ایشیا میں رہتے ہوئے ایک طویل عرصہ بیت گیا اور اس کی نسلی تعداد بہت بڑھ گئی تو اس کے کچھ قافلے سردی سے بچنے کے لئے اور اپنے مویشیوں کے چارہ کے لئے نئی چراگاہوں کی تلاش میں اپنے اصلی وطن سے نکل کر جنوب کی سمت آئے ان میں سے کچھ قافلے تو فارس (ایران) میں آباد ہو گئے اور کچھ آگے بڑھ کر کوہ ہندوکش کے راستے پنجاب میں وارد ہو کر جہلم کی وادیوں میں بستیاں بسا کر رہنے لگے۔

ان میں جو مذہبی پیشوا تھے وہ جہلم کے کنارے اس کی حسین و جمیل اور نکہت بار فضاؤں سے مخمور ہو کر مظاہر قدرت چاند ستاروں، شفق اور سورج کی تعریف کے گن گانے لگے اور مظاہر قدرت کی تعریف و توصیف میں اشلوک بھجن اور منتر بنانے میں مصروف ہو گئے۔

بعدازاں جب ان کے عقل و شعور میں اضافہ ہوا تو ان پر یہ حقیقت منکشف ہو گئی کہ مظاہر قدرت کا بھی ایک خالق ہے۔ جس نے انہیں حسن و جمال اور حرارت و حرکت اور روشنی عطا کی ہے۔ تو یہ مظاہر قدرت کے ساتھ ساتھ خالق حقیقی کی تعریف اور حمد و ثناء میں بھی منتر وضع کرنے لگے۔

اس زمانے میں علم تحریر ناپید تھا اس لئے لوگ ان منتروں کو زبانی یاد کر لیتے تھے۔ اس طرح یہ منتر اور بھجن سینہ بہ سینہ ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہوتے رہے اور جب علم تحریر رائج ہو گیا تو ان سب منتروں کو احاطہ تحریر میں لایا گیا اور ان جمع شدہ منتروں سے چار وید مرتب کئے گئے ان میں "رگ وید" سب سے قدیم ہے۔ اس میں مختلف دیوتاؤں اور خالق حقیقی کی تعریف میں منتر اور بھجن درج ہیں تمام مورخین کی رائے ہے کہ رگ وید جہلم کی وادیوں میں مرتب ہوا تھا اور اس میں دریائے جہلم کو "وتشتا یا وتستا" کا نام دیا گیا تھا گویا دریائے جہلم کا رگ ویدی نام

وتستہ ہے۔ ہندو پنڈتوں کے عقیدے کے مطابق دریائے جہلم ست جگ میں بھادوں کی تیرہ تاریخ کو آکاش سے کشمیر کے چشمہ ویری ناگ میں داخل ہوا تھا۔

مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں یہ دعوے کرنے میں حق بجانب ہوں کہ ہندو پاک کی پہلی الہامی کتاب

"رگ وید" جہلم کی وادیوں میں وضع ہوئی اور ویدانت کی پہلی آواز بھی جہلم کی ہی فضاؤں سے بلند ہوئی۔ اور ۳۸۰ ء راجہ بکرماجیت اور اس کے بھائی ہری بھرتری کے عہد میں گوروگورکھ ناتھ نے ٹلہ (جہلم) کی بلندیوں سے قدیم ترین پنجابی شاعری کا آغاز کیا تھا گویا پنجابی شاعری کا پہلا مستقر بھی جہلم ہی ہے۔

میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ کہ آریہ قوم سورج چاند اور ستاروں کو دیوتا سمجھ کر ان کی پرستش کیا کرتی تھی جب انہوں نے جہلم کو اپنا مسکن بنایا تو سورج دیوتا کی پوجا کے لئے انہوں نے ٹلہ کی پہاڑی کو موزوں مقام سمجھ کر اسے سورج کی پوجا کے لئے مختص کر دیا۔ "آئین اکبری" میں علامہ ابوالفضل رقم طراز ہیں کہ "ٹلہ ہندوؤں کا قدیم مذہبی معبد ہے۔ لور یہ سورج دیوتا کی پوجا کے لئے مختص ہے" آریہ قوم سورج کو سب سے بڑا دیوتا مانتی تھی وہ سورج کے متعلق جو عقیدہ رکھتی تھی اور وہ سورج کو جن صفات واقدار کا منبع و سرچشمہ سمجھتی تھی وہ ہندی کے عظیم شاعر "گاتیری" کی نظم سورج میں پائے جاتے ہیں اس نظم کا حکیم مشرق نے بانگ درا میں بعنوان آفتاب ترجمہ کیا تھا۔

آریہ قوم جب اپنا وطن چھوڑ کر پنجاب سندھ اور پھر گنگ و جمن کی وادیوں میں داخل ہوئی تو شروع میں اسے منڈا قبائل اور دراوڑوں سے بڑی خونریز جنگیں لڑنی پڑیں لیکن آریہ قوم ان سب پر غالب آ گئی اور انہیں اپنے مطیع کر لیا فتح پانے کے بعد آریوں نے جنگلوں سے جھاڑ جھنکاڑ صاف کر کے متعدد بستیاں اور شہر آباد کئے اور ان

شہروں کے راجے اور والی بن کر ان پر راج کرنے لگے یہ اس وقت بھی اپنے قدیم قومی رواج کے مطابق مختلف قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے۔ پانچاں، کوسل، اور بھرت ان کے مشہور قبیلے تھے۔ بھرت قبیلے کی رعایت ہی کے سبب شمالی ہندوستان کو تاریخوں میں بھرت ورش لکھا گیا ہے۔

رامائن اور مہا بھارت آریہ قوم کی قدیم تاریخی کتابیں ہیں رامائن کو ہندولوگ بڑی پاک اور پوتر کتاب سمجھتے ہیں ان میں رام چندر جی اور ان کی بیوی سیتارانی اور ان کے بھائی لچھمن کے بن باس جانے اور پھر وطن لوٹنے کے حالات درج ہیں لیکن رامائن کو اس وقت میرے موضوع سے کوئی خاص تعلق نہیں البتہ رام چندر جی ایک عظیم انسان تھے۔

حکیم مشرق نے ان کی سیرت کا نقشہ اپنے اشعار میں یوں کھینچا ہے

ہے رام کے وجود پر ہندوستاں کو ناز
اہل نظر کہتے ہیں اس کو امام ہند
اعجاز اس چراغ ہدایت کا ہے یہی
روشن تراز سحر ہے زمانے میں شام ہند
تلوار کا دھنی تھا، شجاعت میں فرد تھا
پاکیزگی میں جوش محبت میں فرد تھا

رامائن کے بعد ہندوؤں کی دوسری متبرک کتاب مہا بھارت ہے اس کتاب میں متعدد قصوں کا ذکر ہے اور جنگ مہا بھارت کا تذکرہ بڑی تفصیل سے کیا گیا ہے مورخین کا خیال ہے کہ یہ جنگ تقریباً پندرہ سو برس قبل از مسیح کوروؤں اور پانڈوؤں کے درمیان ہوئی تھی جس میں پانڈوؤں کو فتح ہوئی تھی اور کورد خاندان ہلاک ہو گیا تھا اس جنگ میں ھندوپاک کے تمام راجاؤں نے کوروؤں یا پانڈوؤں کی طرف سے شریک

جنگ ہو کر جانیں قربان کی تھیں۔ اس جنگ میں گجرات کاٹھیاوار کے کرشن مہاراج اور کیکرویس کے راجہ جو کہ کرشن مہاراج کے خسر تھے ان کے پانچ بیٹے بھی پانڈووں کی مدد کے لئے جنگ میں شریک ہو کر کٹ مرے تھے یہ پانچوں کوہستان نمک دھنی اور بھون کے جیالے شہزادے تھے۔ اس جنگ کا مرکزی کردار راجہ دروپد والئے پانچال کی خوبصورت بیٹی کرشنا دروپدی تھی اس اجمال کی تفصیل یوں ہے کہ چندر بنسی خاندان کے راجہ وچیتر ویزح جس کی حکومت کا دارالخلافہ ہستناپور تھا۔ اس کے دو بیٹے تھے۔ دھرت راشٹراور پانڈو' دھرت راشٹرچونکہ پیدائشی نابینا تھا اس لئے اس نے راج پاٹ اپنے چھوٹے بھائی پانڈو کے حوالے کر دیا لیکن تھوڑے ہی عرصے کے بعد پانڈو مر گیا۔ اور دھرت راشٹراپنے بیٹوں اور بھتیجوں کا سرپرست بن کر حکومت کرنے لگا۔ اس کے ایک سو بیٹے تھے۔ اور یہ کو رد کہلاتے تھے دریودھن ان سب میں بڑا تھا اور اس کے پانچ بھتیجے ارجن' یدھشٹر' نکل' سہدیو اور بھیم تھے اور یہ پانڈو کے نام سے مشہور تھے۔ یدھشٹر اپنے بھائیوں اور چچا زار بھائیوں میں سب سے بڑا تھا۔ اس لئے حکومت کا حقدار یہی تھا لیکن دھرت راشٹر کو اس کے بڑے بیٹے دریودھن نے ڈرا دھمکا کر حکومت حاصل کر لی اور اپنے چچا زاد بھائیوں کو شہر بدر کردا دیا۔

پانڈومعہ اپنی والدہ کے جنگلوں کی طرف چلے گئے۔ انہی دنوں میں والئے پانچال کی بیٹی کرشنا دروپدی کا سوئمبر ہونے والا تھا یہ پانچوں بھائی بھی سوئمبر میں شریک ہونے کے لئے پانچال پہنچ گئے اور ارجن نے ایک ماہر تیر انداز کی طرح گھومتی مچھلی کی آنکھ میں تیر سے نشانہ لگانے کی شرط کو پورا کر دیا اور کرشنا دروپدی سے شادی کر لی۔ کرشنا دردپدی کے والد والئے پانچال نے کوروؤں سے پانڈووں کو ملک کا کچھ حصہ بھی دلوا دیا۔ لیکن ایک رات کو دریودھن نے پانچوں بھائیوں سے جواء کھیلا جس میں انہوں نے مال و دولت کے علاوہ اپنا ملک اپنی جانیں اور اپنی بیوی کرشنا دروپدی کو بھی ہار دیا۔

اس موقع پر کوروؤں نے کرشنا دروپدی کو بالوں سے پکڑ کر زمین پر گھسیٹا اور اس کی بے حد تذلیل کی۔ یہ دلخراش منظر دیکھ کر پانڈوؤں نے ید ھشٹر کا خون پینے کا عہد کر لیا اور اب شرط کے مطابق وہ دوبارہ بارہ برس کے لئے جنگلوں میں چلے گئے۔ جنگلوں میں پھرتے پھراتے اور کوہ و دمن کی خاک چھانتے ہوئے وہ کرشن مہاراج کے خسر کے پاس پہنچ گئے جو بقول جناب انور بیگ اعوان مصنف "دھنی ادب و ثقافت" کیکئہ دیس کا راجہ تھا اور کیکئہ دیس ضلع جہلم کے علاقہ پوٹھوار میں واقع تھا۔ پانڈوؤں کا جہلم میں پناہ لینا اور پھر کٹاس کے مقام پر خوبصورت اور عجیب و غریب مندر تعمیر کروانا۔ ڈسٹرکٹ جہلم کے گزیٹر مطبوعہ ۸۴-۱۸۸۳ء سے بھی ثابت ہوتا ہے فاضل مصنف اور محقق جناب "انور بیگ اعوان" نے پانڈوؤں کی پوٹھوار ضلع جہلم میں آمد کا تذکرہ اپنی کتاب "دھنی ادب و ثقافت" میں ان الفاظ میں کیا ہے

" کوہستان نمک کے علاقہ میں پانڈوؤں کی آمد کا ثبوت وادی کھون میں کٹاس راج کے متبرک مقام پر ایک بھول بھلیاں طرز کی عمارت "ست گھرا" سے بھی مل رہا ہے۔ جس کے متعلق مشہور ہے کہ اسے پانڈوؤں نے تعمیر کیا تھا۔ "

اس کے علاوہ آنجہانی منشی سبحان رائے بٹالوی نے اپنی کتاب خلاصۃ التواریخ اور پاکستان کے عظیم محقق مورخ جناب کرامت اللہ نے بھی اپنی کتاب "آئینہ گجرات" میں پانڈوؤں کی جہلم میں آمد اور کٹاس کے مقام پر مندر تعمیر کرنے کا ذکر کیا ہے۔ مزید برآں جنرل کننگھم نے اپنی آرکیالوجیکل سروے رپورٹ میں لکھا ہے۔ کہ سلسلہ کوہستان نمک قدیم ہندوؤں کی روایات کے مطابق پانڈوؤں کی پناہ گاہ ہے جب انہیں کوروؤں نے جلا وطن کر دیا تھا۔

جہلم پانڈوؤں کے عہد میں

شہر جہلم کی قدیم تاریخ۔ جنرل کننگھم کے بیان کے مطابق جہلم پوٹا PUTA

سے مماثلت و مشابہت رکھتا ہے اور اس شہر کا قدیم نام پٹوار تھا اور اسی سے پوٹوار یا پوٹھوار بنا ہے جو جہلم سے ملحقہ علاقے کا نام ہے۔

قدیم زمانے میں جہلم اور پوٹھوار ایک ہی علاقے کا نام تھا۔ اور یہ بات قرین قیاس ہے کہ جب کوروؤں نے پانڈوؤں کو جلا کر خاکستر کر دینے کا ناپاک منصوبہ بنایا تو پانڈوؤں نے خوف کے مارے راہ فرار اختیار کی اور پھرتے پھراتے، چھپتے چھپاتے اور دردر کی ٹھوکریں کھاتے ہوئے جہلم کے علاقہ میں پہنچ گئے اور یہاں آ کر انہوں نے سات مندر تعمیر کئے ان مندروں کے کھنڈر اس دعوے کی قطعی شہادت ہیں کہ جہلم پانڈوؤں کا مستقر رہا ہے اور انہوں نے جہلم کے علاقہ میں بارہ برس گزارے تھے اور یہ امر قرین قیاس ہے کہ پانڈوؤں نے اپنے نام پر جہلم کا نام پٹوار رکھا ہو۔ مزید برآں پانڈوں، پوٹوار اور پوٹھوار میں جو لفظی مناسبت اور مماثلت پائی جاتی ہے۔ وہ بھی اس دعوی کی غمازی کرتی ہے ۔ میں نے جہلم کے چند ایسے مُعمر ترین بزرگوں سے جو علم تاریخ کے شائق ہیں سنا ہے کہ جب ایران کے بادشاہ دارائے اول (اسفند یار) کے لشکریوں نے اپنی فتح کے جھنڈے دریائے جہلم کے کنارے پر گاڑ دیئے تو انہوں نے اس جگہ کا نام جائے علم (پرچم گاڑنے کی جگہ) رکھ دیا تھا اور پھر مرور زمانہ کے ہاتھوں جائے علم، جہلم میں تبدیل ہو گیا اور دریائے جہلم کے قریب داراپور کا قصبہ ایران کے بادشاہ دارائے اول کا بسایا ہوا ہے لیکن جہلم نام کے متعلق سب سے معتبر روایت یہ ہے کہ زمانہ قدیم میں دریائے جہلم کا پانی دوسرے دریاؤں کی نسبت ٹھنڈا اور میٹھا تھا۔ اس لئے اس دور کے باشندوں نے اس کے ٹھنڈا اور میٹھا ہونے کی معنوی رعایت سے اس دریا کا نام جلہم یعنی (ٹھنڈا اور میٹھا) پانی رکھ دیا تھا۔ سنسکرت اور منڈا زبان میں پانی کو جل کہتے ہیں اور ہم کے معنی ہیں ٹھنڈا اور میٹھا گویا جہلم کو قدیم ترین نام جلہم تھا جو

آہستہ آہستہ تبدیل ہو کر جہلم کی شکل اختیار کر گیا رگ وید میں دریائے جہلم کو وتستہ یا وتشتا لکھا گیا ہے۔

راج ترنگنی کے مصنف پنڈت کلہن اور ہیر کے خالق وارث شاہ دریائے جہلم کو یہت کا نام دیتے ہیں۔ لفظ پوٹا کے متعلق جناب انور بیگ اعوان نے اپنی کتاب دھنی ادب و ثقافت میں بڑی دلچسپ اور معنی خیز بحث کی ہے میں اس کا اقتباس قارئین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں

"جامع اللغات میں پوٹا کے معنی خاندانی دیوتا' داڑھی دار عورت یا ایسا جانور یا شخص کے ہیں جس میں زمانہ اور مردانہ دونوں نشانیاں موجود ہوں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس علاقے میں کسی وقت ایسے دیوتا کی پرستش کی جاتی ہو گی (جو غالباً گکھڑ قوم کا دیوتا تھا) جس میں زنانہ اور مردانہ نشانیاں پائی جاتی ہوں گی اس دیوتا کی رعایت سے اس علاقے کو پٹور یا پوٹھوار کہا جانے لگا۔" (دھنی ادب ثقافت صفحہ نمبر۲۵۶ انور بیگ اعون)

اب میں پھر جنگ مہا بھارت کی طرف آتا ہوں۔ مورخین کہتے ہیں کہ جنگ مہا بھارت شروع ہونے سے پہلے ارجن نے جب اپنے مقابل میں اپنی ہی بھائیوں اور رشتہ داروں کو دیکھا تو اس نے اپنوں کا خون بہانے سے گریز کرتے ہوئے تیر و کمان پھینک دیئے اس وقت سری کرشن مہاراج نے ارجن کو جو اپدیش دیا تھا وہ بڑا معنی خیز پاکیزہ اور عالمگیر صداقت کا حامل تھا آپ نے ارجن سے کہا بیٹا! روح فنا نہیں ہوتی پیراہن بدلتی ہے انسانوں کو ان کے اعمال کی جزا اور سزا ضرور ملتی ہے۔ سچائی کا ساتھ دیتے ہوئے جھوٹ اور ظلم کے خلاف جنگ کرنا۔ انسان کا سب سے بڑا فرض ہے۔ کرشن مہاراج کی نصیحتوں کے مجموعے کا نام "بھگوت گیتا" ہے

سری کرشن نے پانڈوؤں کا ساتھ دے کر عملی طور پر بدی کے خلاف جہاد کر کے

یہ ثابت کر دیا کہ ویدانت علم و فکر کے اندازِ لطیف' جوشِ کردار اور ذوقِ عمل کے حسین امتزاج کا نام ہے اس موقع پر حضرت اُستاد دانش کے چند اشعار یاد آ گئے ہیں

تیری بنسی کی تانیں مضطرب بھگتوں کے سینوں میں
تیرے رخ سے ضیا پاشی دلوں کے آبگینوں میں
تیرے داغ سیہ سے سرخرو گلشن میں لالہ ہے
تیرے افکار سے باطن کی محفل میں اُجالا ہے
تو وہ شے ہے زمانہ تجھ سے غافل ہو نہیں سکتا
تو وہ دولت ہے تجھ کو قلب فطرت کھو نہیں سکتا

جہلم بدھوں کے عہد میں

۲۷۲ قبل مسیح نیپال ' سندھ' بلوچستان اور پنجاب بشمولہ جہلم پر بدھ مذہب کا مشہور راجہ اشوک اعظم حکومت کرتا تھا اس کے بعد انہی علاقوں پر راجہ کنشک کی حکمرانی رہی ان دونوں کے عہد میں اگرچہ شہر جہلم میں بودھوں کے آثار کا پتہ نہیں چلتا لیکن پوٹھہار ضلع جہلم میں بودھوں کے آثار ہر طرف بکھرے ہوئے ہیں وادی کہون۔ کٹاس کے گردونواح میں اشوک کے ایک سٹوپے کا ذکر تاریخوں میں پایا جاتا ہے اب یہ سٹو پا معدوم ہو چکا ہے جنرل کننگھم کی سروے رپورٹ کی رو سے ضلع جہلم میں ڈلوال ملوٹ کٹاس' اور کلر کہار پانڈوؤں اور بودھوں کی دل پسند رہائش گاہیں تھیں۔ موضع میرا ترچھک میں بودھوں کے ایک کنوئیں کا ذکر دھنی ادب و ثقافت میں جناب انور بیگ اعوان نے بھی کیا ہے

ایرانیوں کا پاک و ہند پر حملہ

میں شروع میں بتا چکا ہوں کہ آرین قوم کے کچھ قافلے ہندوپاک میں داخل ہو کر پنجاب خصوصا دریائے جہلم کے کناروں پر آباد ہو گئے اور کچھ قافلوں نے خلیج فارس کو اپنا مسکن بنا لیا اور اپنے نام کی رعایت سے اس ملک کا نام ایران رکھ دیا۔ آہستہ آہستہ ایرانیوں نے اتنی ترقی کی کہ یہ ایک عظیم الشان اور طاقت ور حکومت بن گئی چھٹی صدی قبل مسیح میں دارا گشتاسپ دارائے اول اسفند یار ایران پر حکومت کرتا تھا اس نے اپنی فتوحات بڑھانے کے لئے یونان پر بھی حملہ کیا اور ہندوپاک پر بھی سندھ اور پنجاب کے علاقہ پر جس میں جہلم بھی شامل ہے ایرانی حکومت کا قبضہ ہو گیا کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ جہلم میں جو دارا پور کا قصبہ ہے وہ اسی دارا کا آباد کیا ہوا ہے اور جب ایرانی فوج نے اپنی فتح کے جھنڈے جہلم پر گاڑ دیئے تو وہ اس جگہ کو جائے علم (جھنڈا گاڑنے کی جگہ) کہہ کر پکارنے لگے اور جائے علم مرور زمانہ کے ہاتھوں جہلم میں بدل گیا۔ جائے علم کا جہلم میں بدل جانا میرے نزدیک بزرگوں کا ایک مفروضہ ہے کیونکہ اس دعوی کا کوئی تاریخی ثبوت موجود نہیں البتہ سکندر اعظم سے پہلے ایران کے دارائے اول کا سندھ اور پنجاب پر لشکر کشی کر کے ان علاقوں کو فتح کرنا ایک تاریخی واقعہ ہے اور ایرانی تہذیب نے ہندو پاک میں بسنے والوں کی زندگیوں کے مختلف گوشوں پر جو اپنے نقوش چھوڑے ہیں وہ بھی اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ کبھی سندھ اور پنجاب (جس میں جہلم بھی شامل ہے) پر یقیناً ایران کا قبضہ رہا ہے۔

سکندر اعظم کا ایران اور ہندو پاک پر حملہ

سکندر رومی کے فارس اور پاک و ہند پر حملہ کے ذکر سے پہلے میں ذوالقرنین جن کا لقب خسرو تھا اور جنہیں سائرس اور سکندر ذوالقرنین بھی کہتے ہیں ان کی شخصیت

کے متعلق تھورا سا تذکرہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ مورخین نے سکندر اعظم اور سکندر ذوالقرنین کو ایک ہی شخصیت سمجھا ہے۔ مرزا غالب مرحوم کا ایک بہت ہی مشہور شعر ہے

کیا کیا خضر نے سکندر سے
اب کسے رہنما کرے کوئی

اسی طرح روزنامہ زمیندار لاہور کے مدیر اعلیٰ حضرت مولانا ظفر علی خان مرحوم بھی سکندر مقدونی کو سکندر ذوالقرنین سمجھتے تھے آپ کا یہ شعر اس غلط فہمی کی صاف غمازی کرتا ہے۔

سکندر اس لئے آیا تھا چل کے آب جہلم پر
کہ اس کو آرزو تھی آب حیواں کے پکھانوں کی

ظفر علی خان

شاید اسی لئے سکندر مقدونی کے متعلق علامہ اقبال نے فرمایا تھا کہ

آج ایشیا میں اس کو کوئی جانتا نہیں
تاریخ دان بھی اسے پہچانتا نہیں

مولانا ابو الکلام آزاد نے اپنی کتاب اصحاب کہف میں ان دونوں کو الگ الگ شخصیتیں قرار دیا ہے۔

سکندر ذوالقرنین کے استاد کے نام کا کسی کو علم نہیں لیکن سکندر مقدونی کا استاد مشہور زمانہ حکیم ارسطو تھا۔ اس کے علاوہ حضرت ذوالقرنین کے جہلم آنے کا تذکرہ کسی کتاب میں نہیں ملتا ہاں سکندر مقدونی نے جہلم آکر راجہ پورپال (پورس) کو شکست دی تھی۔

سکندر ذوالقرنین نے انسانوں کو مہرو شفقت' احساس مروت اور خدا کی وحدانیت

کا سبق دیا تھا اور اپنے پیغمبرانہ خلوص' پاک سیرت اور پاکیزہ اخلاق کے ذریعے عوام کے دلوں کو مسخر کیا تھا اور سکندر مقدونی بحروبر کا ایک خونریز قزاق تھا

اسکندر و چنگیز کے ہاتھوں سے جہاں میں
سو بار ہوئی حضرت انساں کی قبا چاک

حقیقت یہ ہے کہ سکندر ذوالقرنین اور سکندر رومی ایک دوسرے کی ضد تھے ذوالقرنین خلوص و محبت کا پیکر تھا اور سکندر اعظم قہروغضب کا مجسمہ ۔ ان دونوں کو ایک سمجھ لینا ایک بہت بڑی تاریخی غلطی ہے' اس تاریخی غلطی کا ازالہ کرنے کے بعد اب میں سکندر اعظم کے حملہ کی طرف آتا ہوں۔

۵۱۸ قبل مسیح داراب شاہ یا دارا گشتاسپ بن بہمن ایران پر حکمرانی کرتا تھا اس نے سندھ اور پنجاب کو بھی فتح کیا تھا۔ اور یونان پر بھی لشکر کشی کی تھی۔ سکندر اعظم ۳۵۶ قبل مسیح فلپ شاہ مقدونیہ (یونان) کے ہاں پیدا ہوا تھا۔ اس نے اپنے باپ کی وفات کے بعد عنان حکومت اپنے ہاتھوں میں لی وہ یونان کے مشہور حکیم ارسطو کی درسگاہ کا بیباک ذہین اور شیر دل طالب علم تھا جس نے اپنی جنگی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر دنیا کے سورماؤں کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا تھا اور بقول حضرت علامہ اقبالؒ

تاریخ کہہ رہی ہے سکندر کے سامنے
دعویٰ کیا جو پورس و دارا نے' خام تھا

سکندر بچپن سے یہ سنتا چلا آ رہا تھا کہ ماضی قریب میں ایرانیوں نے یونان پر حملہ آور ہو کر یونانیوں کا بے دریغ خون بہایا تھا۔ اور ایرانیوں کے اس لشکر میں سندھ اور پنجاب کے جیالے بھی شامل تھے۔ اس لئے وہ ایرانیوں اور ہندوپاک کے باشندوں سے انتقام لینے کے لئے ایک لشکر جرار کے ساتھ ایران پر حملہ آور ہوا۔ اور ایران کے بادشاہ دارا کو شکست فاش دے کر ہلاک کر ڈالا ۔

مورخین کہتے ہیں کہ دارا کی موت کے بعد اس کے کچھ فوجی افسر میدان جنگ سے فرار ہو کہ افغانستان اور پنجاب و سندھ (موجودہ پاکستان) میں پناہ گزین ہوئے تھے سکندر ان فوجی افسروں کی سرکوبی کے لئے اور پنجاب و سندھ پر قبضہ کرنے کی غرض سے ایک خوفناک سیلاب کی طرح راستے کی ہر رکاوٹ کو پامال کرتے ہوئے کابل پہنچ گیا یہاں کے لوگوں کو مطیع کرنے کے بعد وہ ۳۲۶ قبل مسیح شہر اٹک سے چند میل دور شمال مشرق کی طرف "اوہند" کے مقام سے دریائے سندھ کو کشتیوں کے ذریعے عبور کر کے راجہ "امبھی" کے شہر ٹیکسلا میں جا پہنچا۔ راجہ امبھی نے بڑے تپاک سے سکندر کا خیر مقدم کیا اور اس کی آمد کی خوشی میں ایک "عظیم الشان" جشن منایا اور سکندر کو راجہ پورپال (راجہ پورس) پر حملہ کرنے کی ترغیب دی کیونکہ راجہ امبھی اور راجہ پورس میں مدتوں سے چپقلش چلی آ رہی تھی۔ سکندر نے اپنے سفیر کے ذریعے پورس کو اطاعت قبول کرنے کی دعوت دی لیکن پورس نے بیچ دو آب (چناب و جہلم) کا پانی پیا ہوا تھا اس غیرت مند راجہ نے سکندر کو کچھ اس طرح کا جواب دیا کہ کون کس کی اطاعت قبول کرے گا۔ اس بات کا فیصلہ میدان جنگ میں تلوار کرے گی۔ سکندر پورس کی طرف سے یہ جواب پا کر تلملا اٹھا۔ اور ایک لاکھ بیس ہزار پیادہ فوج اور پندرہ ہزار گھڑ سواروں کا لشکر عظیم لے کر ایک خونخوار بھیڑیے کی طرح دہاڑتا ہوا دریائے جہلم کے مغربی کنارے پر پہنچ گیا اور اس کے سپاہیوں نے کشتیوں کے ذریعے دریا عبور کرنے کے لئے ایک مناسب جگہ تلاش کر لی۔

پھر ایک بھیانک رات میں کشتیوں کے ذریعے اس کے تقریباً تیرہ ہزار سپاہی دریا سے پار اتر گئے جن میں خود سکندر اعظم بھی شامل تھا۔ سکندر کے پاس بے شمار لشکر تھا اور پورس کے پاس صرف ۳۳ ہزار پیادہ فوج، چار سو رتھیں، اور تقریباً ڈیڑھ سو جنگی ہاتھی تھے۔

Scanned with CamScanner

اگرچہ پورس، سکندر کے مقابلہ میں فوجی لحاظ سے بہت ہی کمزور تھا لیکن وہ مردانہ غیرت اور جذبہ حب الوطنی سے سرشار ہو کر ایک طاقتور غیر ملکی حملہ آور سے بہادروں کی طرح ٹکرا گیا۔ کیونکہ غیرت مندی اور ملکی دفاع کا یہی تقاضا تھا۔

اس جنگ میں اس کے ہزاروں سپاہی کٹ گئے اور دو بیٹے بھی کام آئے۔ اور وہ خود بھی شدید طور پر زخمی ہو گیا اس کے ہاتھیوں پر جب سکندری فوج نے تیروں کی بارش کر دی تو انہوں نے پیچھے پلٹ کر اپنی فوج کے جوانوں ہی کو روند ڈالا۔ اسی دن سے پورس کے ہاتھی، ایک محاورہ بن گیا ہے اور جب کسی انسان کو اپنے ساتھیوں سے نقصان پہنچتا ہے تو وہ پکار اٹھتا ہے کہ میرے ساتھی بھی پورس کے ہاتھی نکلے۔

آیئے پھر میدان جنگ کی طرف چلیں، یہ زخمی راجہ اپنے سامنے اپنے ہزاروں سپاہیوں کو خاک و خون میں لوٹتے ہوئے ہزاروں کو زخمی ہو کر بھاگتے ہوئے اور اپنے دونوں جگر گوشوں کی لاشوں کو خون میں لت پت ہو کر تڑپتے اور کراہتے ہوئے دیکھ کر بھی نہ تو ایران کے بادشاہ دارا کی طرح میدان جنگ سے بھاگ نکلا اور نہ ہی سکندر سے امان طلب کی بلکہ میدان کار زار میں ڈٹا ہوا آخری دم تک ہمت مردانہ کا مظاہرہ کرتا رہا اور جب زخموں کا تاب نہ لا کر ہاتھی سے گر پڑا تو سکندر کے سپاہیوں نے اسے گرفتار کر کے سکندر کے حضور پیش کیا سکندر نے پورس سے مخاطب ہو کر پوچھا، اب تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ اس بہادر راجہ نے سکندر کے اس سوال کا جو جواب دیا وہ ہندو پاک کی تاریخ کا ایک جگمگاتا ہوا عنوان ہے پورس نے سکندر کے سوال کا جواب کچھ یوں دیا کہ تم بھی میرے ساتھ وہی سلوک کرو جو بادشاہ بادشاہوں سے کرتے آئے ہیں، یعنی فاتح بادشاہ مفتوح بادشاہ کو قتل کی سزا دیتے آئے ہیں لہٰذا تم بھی مجھے قتل کر دو۔

سکندر اس جرات مندانہ جواب سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے پورس کو

آفرین کہا اور اس کا علاقہ اسے واپس کر دیا

یہاں ایک متنازعہ فیہ مسئلہ یہ ہے کہ سکندر نے کس مقام سے دریا کو عبور کیا تھا اور کون سا علاقہ میدان جنگ بنا تھا۔

کچھ مورخین کا خیال ہے کہ:

سکندر وادی گھان یا وادی بھناں کے ساتھ ساتھ دریائے جہلم کی طرف بڑھا ہو گا۔ پہلا راستہ اسے موجودہ شہر جہلم لایا ہو گا اور دوسرا راستہ اسے دارا پور جلال پور لے گیا ہو گا۔ پرانی کہاوتیں اور شناختیں جہلم کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ لیکن جنرل کننگھم کے بیان کے مطابق سکندر کا کیمپ جلالپور میں تھا اور پورس کا مرکز مہابت پور کے گرد تھا اور مونگ رسول کے علاقے میدان جنگ بنے تھے۔ جنرل ایبٹ کہتے ہیں کہ سکندر کا کیمپ جہلم کے مقام پر تھا اور جہلم سے چودہ میل دور ضلع گجرات پیرال کے قصبہ میں پورس اور سکندر کی لڑائی ہوئی تھی۔ مولانا غلام رسول مہر نے اپنی کتاب "سکندر اعظم" میں لکھا ہے۔

"سکندر دریا کی بالائی سمت میں اٹھارہ میل چلا گیا۔ اس مقام اور کیمپ کے درمیان سنتریوں کا زنجیرہ قائم کر دیا گیا تاکہ احکام تیزی سے پہنچتے رہیں"

اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ سکندر نے جلالپور سے نہیں بلکہ گٹالی یا پٹن بھنں سے دریائے جہلم کو عبور کیا تھا۔

پہلی لڑائی میں پورس کا بڑا لڑکا چار ہزار ساتھیوں سمیت اپنے وطن کی حرمت پر قربان ہو گیا تھا لیکن اس نے سکندر کے پیارے اور تاریخی گھوڑے بوکی فیلس کو شدید طور پر زخمی کر دیا تھا۔ جو زخموں کی تاب نہ لا کر تھوڑی دیر کے بعد مر گیا تھا۔

آئینہ گجرات کے فاضل مصنف اور محقق جناب کرامت اللہ لکھتے ہیں کہ جناب محمد لطیف کی رائے کے مطابق سکندر نے چیلیاں والا سے پندرہ میل دُور دریائے جہلم
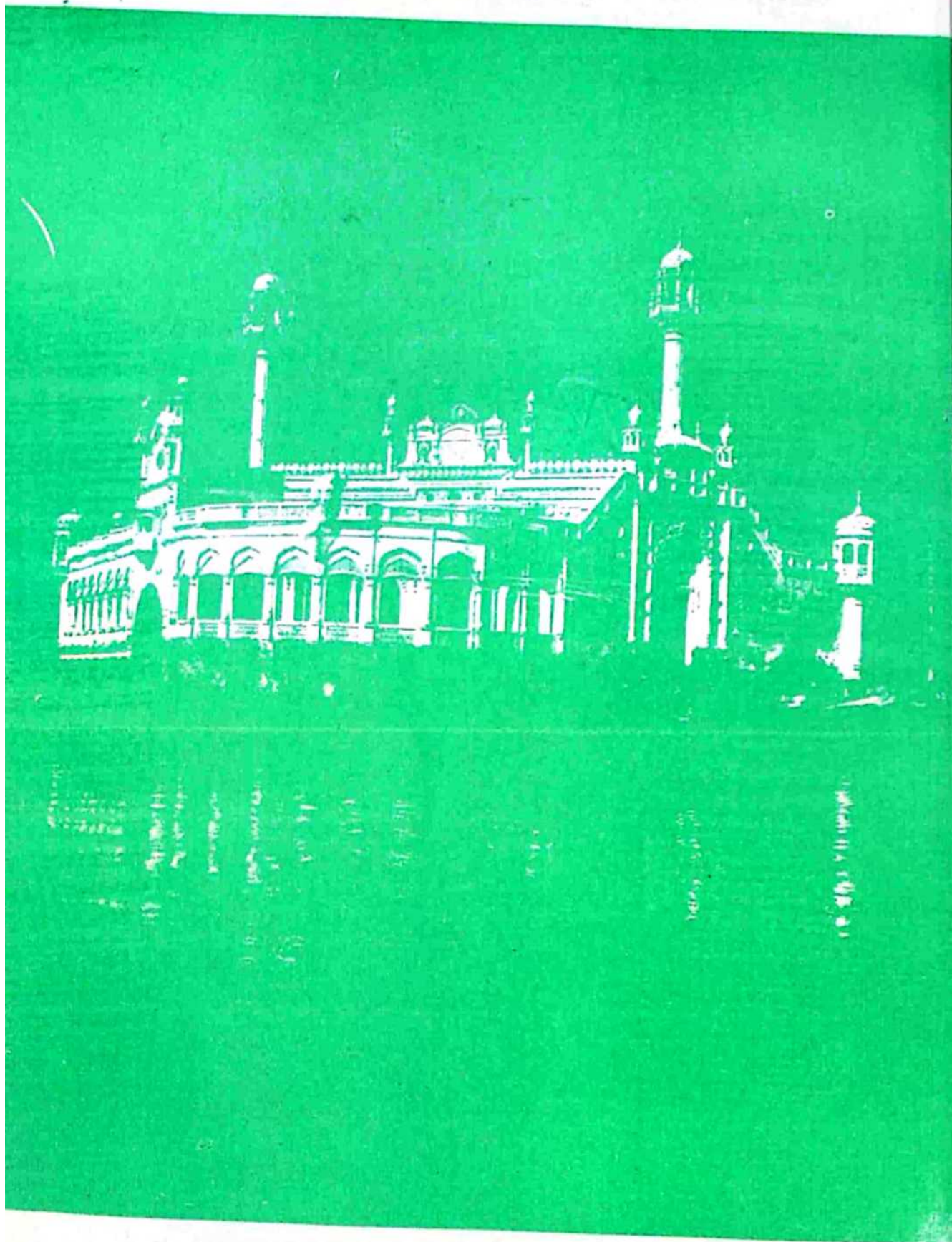
کو پار کیا تھا گجرات پراپیکٹو کے فاضل مصنف کریم نواز کی رائے میں سکندر کا فوجی مرکز موجودہ شہر جہلم کے کسی مقام پر تھا اور اس نے "بھندنایا نالہ سے دریائے جہلم کو عبور کیا تھا اور لڑائی کا میدان پبی کی پہاڑیوں اور کھڑی کا درمیانی علاقہ تھا اور جہلم شہر کے گردونواح میں بسنے والے دیہاتی بزرگ کہتے ہیں کہ ہم اپنے بزرگوں سے سنتے آئے ہیں کہ سکندر نے پتن گٹالی سے دریا کو عبور کیا تھا اور سکندر و پورس کی تاریخی جنگ کھاریاں کی پبی اور کھڑی شریف کے درمیانی علاقہ میں ہوئی تھی۔ دیہاتی لوگ کہتے ہیں گٹالی اصل میں گھڑ والی (گھوڑوں کے گزرنے کی جگہ) تھا اور گھڑ والی آہستہ آہستہ بدل کر گٹالی بن گیا ہے۔

مذکورہ بالا بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ سکندر کے دریا عبور کرنے کی جگہ اور میدان جنگ کے بارے میں مورخین مختلف رائے رکھتے ہیں۔ چنانچہ بسااوقات یہ ہوتا ہے کہ ان کے فیصلے قیاس آرائیوں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے کیونکہ سکندر ۳۲۵ قبل مسیح جہلم آیا تھا تاریخی اور جغرافیائی شہادتوں کی روشنی میں پورے وثوق کے ساتھ کون کہہ سکتا ہے کہ دریائے جہلم کی گزرگاہ آج سے تقریباً ۲۳۰۰ سال پہلے بھی یہی تھی جو آج ہے۔

البتہ اس امر کی تاریخی شہادتیں موجود ہیں کہ موجودہ شہر جہلم وہی تاریخی شہر ہے جس کی بنیاد آج سے کئی ہزار سال پہلے سکندر اعظم نے رکھی تھی۔ شہر جہلم کے بارے میں' میں سب سے پہلے جناب ریاض حسین ایم اے کی رائے پیش کرتا ہوں۔

آپ ماہنامہ سیارہ ڈائجسٹ مئی ۱۹۷۱ء میں "نام سے نام تک" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔ "سکندر نے راجہ پورس کے ساتھ جنگ کے بعد اپنے گھوڑے بوکی فیلس کے نام پر جو شہر آباد کیا تھا۔ مورخین کے اندازے کے مطابق یہ شہر موجودہ جہلم کی

جائے وقوع پر بسایا گیا تھا۔ جہلم کے اردگرد یونانی سکوں کی کثیر تعداد کی دریافت اور قبل از مسیح کے آثار قدیمہ سے جن میں یونانی طرز تعمیر نمایاں ہے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے۔ ''

دریائے جہلم کا سنسکرت نام ''وتا ستا'' تھا یونانیوں نے اس کا نام HYDASPES لکھا ہے

(بشکریہ ماہنامہ سیارہ ڈائجسٹ)

پاکستان کے عظیم محقق اور مورخ شیخ کرامت اللہ اپنی بلند پایہ کتاب آئینہ گجرات میں یوں رقم طراز ہیں:

'' سکندر نے فتح کی یادگار میں ایک قصبہ ''نکایا'' بسایا تھا۔ مگر وہ بالکل بے نشان ہو گیا۔ البتہ اپنے عزیز گھوڑے کے نام پر جو یہیں مرا تھا ایک بستی بوکفالیہ بسائی تھی۔ اس کے کھنڈر شہر جہلم کے قریب دریافت ہوئے ہیں یہاں سے سکندر کا ایک سکہ بھی ملا ہے۔ جس کے ایک طرف مقدونی سوار بھاگتے ہاتھی کا پیچھا کر رہا ہے اور دوسرے رخ سکندر کی برق بدست شبیہ بنی ہوئی ہے بعض اہل نظر خیال کرتے ہیں کہ یہ سکہ بھی پورس پر فتح پانے کی یادگار میں کندہ کرایا گیا ہو گا شیخ صاحب ''کیمرج شارٹر ہسٹری آف انڈیا'' کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سکندر اعظم نے فتح کی یادگار میں ایک قبضہ نکایا کو خاص لڑائی کے میدان میں آباد کیا تھا اور دوسری بستی اپنے عزیز گھوڑے کے نام پر بوکفالیہ اس مقام پر بسائی جہاں دریائے جہلم کے مغربی کنارے پر سکندر اعظم کا فوجی مرکز تھا۔ بوکفالیہ ایک اہم بستی شمار ہونے لگی اور موجودہ شہر جہلم کو اس بستی کا قائم مقام سمجھنا چاہئے۔ جہلم کو سکندر نے آباد کیا تھا۔ اس کی شہادت ڈسٹرکٹ جہلم کے گزیٹر مطبوعہ ۸۴۔۱۸۸۳ء سے بھی ملتی ہے۔ اس گزیٹر کے صفحہ نمبر ۳۰ پر آثار قدیمہ کے باقیات کے سلسلے میں لکھا ہے کہ۔

موجودہ شہر جہلم کی جگہ اتنی پرانی نہیں لیکن وہ پہاڑی ٹیلہ یا تبہ جس پر محکمہ ریلوے کے بنگلے بنے ہوئے ہیں۔ یقیناً ماضی قدیم سے تعلق رکھتی ہے۔ کیونکہ جب ریلوے زیر تعمیر تھا تو کھدائی کے دوران یہاں سے بہت سے نوادرات دستیاب ہوئے تھے۔ یہ اشیاء جن کا تذکرہ جنرل کننگھم نے اپنی آثار قدیمہ کی سروے رپورٹ جلد نمبر۱۴ صفحات ۳۴ تا ۴۱ میں کیا ہے دو قسم کی ہیں ایک قسم کا تعلق ماضی کی یونانی تہذیب سے لگتا ہے اور دوسری کشمیریوں کے زمانہ عروج سے وابستہ نظر آتی ہے جن سے ضلع کے کئی موجودہ مندر بھی مماثلت رکھتے ہیں ان میں یونانی طرز کی تین لوہے کی تپائیاں تانبے کے دو پیالے ایک مکمل سنگی ستون اوراسی شکل کی تیئس (۲۳) ستونوں کی بنیادیں شامل ہیں مذکورہ بالا جلد کی پلیٹ نمبر ۱۴ میں جس ستون کو دکھایا گیا ہے وہ لاہور کے عجائب گھر میں رکھا ہوا ہے اس طرح BINGAM بنگام کا ستون بھی جس کا ایک سرا کھردرا ہے اور جو بظاہر یہیں سے حاصل ہوا ہے کننگھم صاحب کی رائے میں یہ گپتا طرز کے دوسرے دور کا لیکن ساتویں یا آٹھویں صدی عیسوی سے پہلے کا نہیں ہے جہلم سے چار میل شمال کی طرف کالا گوجراں کے گاؤں میں ایک سنگی پلاسٹر ملا تھا جو کہ غالباً کسی چوکھٹ کا بایاں حصہ ہے جس کی اونچائی سات فٹ ہے۔ اس کی تہہ میں تو ایک شبیہہ بنی ہوئی ہے لیکن اوپر کا سران عام ستونوں جیسا ہے جو ہندو جینی اور بدھی مندروں میں اکثر دیکھے جاتے ہیں اور جیسا کہ جہلم سے حاصل شدہ مذکورہ بالاستون ہے کالا کے اس ستون کی تشہیر جناب جنرل ایبٹ نے پلیٹ نمبر۲۴ (الف) جے اے ایس ۔ بی ۱۸۴۶ء میں کی ہے

پورس کو شکست دینے کے بعد سکندر مگدھ کی حکومت کو فتح کرنے کی غرض سے آگے بڑھا لیکن مگدھ کے قریب پہنچ کر اس کی فوج اور جرنیلوں نے وطن واپس لوٹ جانے کے لئے سکندر کو مجبور کر دیا سکندر کو اس بات کا بڑا صدمہ ہوا اور غم و

غصہ کے عالم میں بحری راستے سے وطن کی طرف چل پڑا اور ملتان کے قریب ایک مہیب جنگ میں دشمنوں نے اسے شدید طور پر زخمی کر دیا وہ انہی زخموں کے سبب بابل کے مقام پر پہنچ کر سارے عالم کو فتح کرنے کا ارمان اپنے دل میں لئے موت کے آہنی پنجوں کا شکار ہو گیا یہاں سے اس کی لاش شہد میں محفوظ کر کے مقدونیہ (یونان) لائی گئی اس عظیم جرنیل کی موت تاریخ عالم میں اتنا برا المناک سانحہ بن گئی کہ آج ہزاروں سال گزرنے کے باوجود یونان تو درکنار کبھی کبھی جہلم کے لوگ بھی اس کی حسرت ناک موت پر اس قسم کے اشعار گنگناتے نظر آتے ہیں۔

قبراں وچ سکندر دی ماں رو وے
بچہ موت سنہوڑے آ گئے نی!!
مائی توں کیہڑے سکندرنوں ڈھونڈنی ایں
ایتھے لکھاں سکندر سما گئے نی!

سکندر کی ہندو پاک سے واپسی کے بعد چندر گپت موریہ اور اس کا چالاک وزیر "چانکیہ" پہلے پنجاب پر پھر آہستہ آہستہ پورے ہندوستان پر حکومت کرنے لگے۔ سکندر کے ایک جرنیل سیلوکس نے چندر گپت سے ٹکر لی مگر شکست کھائی اور صلح کر لی۔ اس جنگ کے بعد ہندو پاک کے لوگ یونانیوں کی غلامی سے آزاد ہو گئے۔

یہاں پنڈت چانکیہ کے مختصر حالات کا جائزہ لیتے چلتے ہیں۔

پنڈت چانکیہ ایک نہایت ہی شاطر اور پرلے درجے کا ذہین اور چالاک شخص تھا۔ اس نے سیاسیات پر ایک کتاب "ارتھ شاستر) لکھی۔ جس میں اس نے عوام پر حکومت کرنے اور حکومت کو مستحکم کرنے کے گرو' ڈھنگ اور سیاسی چالوں اور مکاریوں کو ایسے شاطرانہ اور ماہرانہ انداز میں پیش کیا ہے کہ اسے پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ سیاسی دنیا میں کتاب دی پرنس THE PRINCE کا مصنف میکاولی غریب

تو یوں ہی بدنام ہو گیا ہے اصل میں دنیا کے بھیانک اور گھناؤنے سیاسی ڈراموں کا ہیرو پنڈت چانکیہ ہے۔

آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ سکندر نے پورس پر فتح پانے کے بعد اس کا راج پاٹ اسے واپس کر دیا تھا۔ اور اس کے دونوں بیٹے میدان جنگ میں مارے گئے تھے۔

سکندر کی واپسی سے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد کسی سر پھرے یونانی نے راجہ پورس کو قتل کر دیا۔ پورس کے مرنے کے بعد اس کا نواسہ "بجے سنگھ" جو پورس کی فقیر صفت بیٹی "منگلا دیوی" کا بیٹا تھا۔ پورس کے تاج و تخت کا وارث بنا لیکن جہلم سے لے کر پوٹھوہار کے پورے علاقے پر پورس کا بھتیجا راجہ سوبھنا ایک طویل عرصہ تک حکمرانی کرتا رہا۔ راجہ سوبھنا بہادر ہونے کے ساتھ ساتھ بڑا شریف اور نیک آدمی تھا اس راجہ کا پایہ تخت جہلم تھا اور یہ چندر گپت موریہ کا باجگزار تھا۔ راجہ سوبھنا اور چندرگپت موریہ اول کے مر جانے کے بعد اشوک اور راجہ کنشک بڑے مشہور راجگان ہوئے ہیں انہوں نے کشمیر کابل' پنجاب' سندھ' ہند اور نیپال پر بڑے دھڑلے سے حکومت کی یہ دونوں بدھ مت کے پیرو تھے۔ ان کا تذکرہ "جہلم بودھوں کے عہد میں" کے عنوان سے گزشتہ اوراق میں کیا جا چکا ہے۔

یہاں پر یہ بتا دینا ضروری ہے کہ راجہ کنشک کا تعلق یوچی قوم سے تھا اور جنرل کننگھم آج کے گوجروں کو چھوٹے یوچی سے منسوب کرتا ہے۔ راجہ کنشک کے بعد سمندر گپت تخت نشین ہوا لیکن اس کے راج میں جہلم گمنام رہا۔ سمندر گپت کی وفات کے بعد اس کا بیٹا چندر گپت ثانی بکرماجیت کے لقب سے ۳۸۰ء میں اجین کے تخت پر بیٹھا اور سارے ہند پر حکومت کرنے لگا۔ یہ بڑا بہادر اور علم دوست راجہ تھا اس کے عہد میں شہر جہلم کو بڑی شہرت حاصل ہوئی برطانوی راج میں جب جہلم ریلوے تعمیر ہو رہی تھی تو اس وقت کھدائی کے دوران بکرماجیت کے عہد کے چند

نوادرات برآمد ہوئے تھے۔ جن کا ذکر گزشتہ اوراق میں کیا جا چکا ہے۔ اس کے دور حکومت میں گوروگورکھ ناتھ نے ٹلہ کی چوٹی کو اپنا مسکن بنا کر وہاں آسن جمایا تھا اور بکماجیت کے سوتیلے بھائی راجہ "ہری بھرتری" نے گورکھ ناتھ کا چیلا بن کر ان سے یوگ حاصل کیا۔ ہری بھرتری فقیر منش اور شاعر بھی تھا۔

علامہ اقبال نے اپنی کتاب بال جبریل میں اس فقیر شاعر کے ایک ہندی شعر کا یوں ترجمہ کیا ہے

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مرد ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر

آگے چل کر ٹلہ کے عنوان سے ناتھ جوگیوں کا تذکرہ تاریخی کتب کی روشنی میں ذرا تفصیل سے ہو گا۔

جہلم اسلامی عہد میں

دل ہمارے یاد عہد رفتہ سے خالی نہیں
اپنے شاہوں کو یہ امت بھولنے والی نہیں

راجہ بکماجیت کے بعد مسلمانوں کے ہندوپاک میں آمد تک جہلم کے متعلق کچھ پتہ نہیں چلتا۔ مورخین اپنی کتابوں میں جہلم کا تذکرہ نہ کر کے یہ کہنے پر مجبور کرتے ہیں

کب میرا نشیمن اہل چمن، گلشن میں گوارا کرتے ہیں۔

خلیفہ ولید کے عہد میں عراق کے گورنر حجاج بن یوسف نے اپنے بھتیجے عمادالدین محمد بن قاسم کو ایک جرار لشکر دے کر سندھ کے راجہ داہر کو اس کی گستاخی اور جھوٹ بولنے کا مزہ چکھانے اور اسے سزا دینے کے لئے جب سندھ روانہ کیا تو ۱۳-۷۱۲ء میں اس مجاہد اعظم نے راجہ داہر کو دیبل کے مقام پر شکست دی اور دیگر شہروں کو فتح کرتا

ہوا ملتان پہنچ گیا یہاں پہنچ کر اس نے اپنے ایک فوجی جرنیل حریم بن عبدالمالک کو جہلم کی طرف بھیجا۔ حریم بن عبدالمالک نے جہل (رہتاس کے قریب) قلعہ ہریم پور کو فتح کر کے اس پر اسلامی جھنڈا لہرایا اور یوں پہلی بار جہلم کی وادیاں صدائے توحید سے گونج اٹھیں اس اثنا میں خلیفہ ولید وفات پا گیا اور اس کی جگہ اس کا بھائی سلیمان عبد المالک تخت خلافت پر بیٹھا۔ اس نے اپنی دیرینہ سیاسی دشمنی کے باعث محمد بن قاسم کو واپس بغداد بلا لیا اور اس جیالے سپاہی کو شدید اذیتیں دے کر مروا ڈالا۔ اگر محمد بن قاسم کو واپس بلا کر قتل نہ کیا جاتا تو آج ہندوپاک کی تاریخ کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔

اس مجاہد اعظم کے بعد دنیا کے سب سے بڑے بت شکن سلطان محمود غزنوی نے ہندوپاک برصغیر پر یلغار کی پنجاب کے راجاؤں کے ساتھ خوفناک جنگیں لڑ کر انہیں عبرت ناک شکست دی اور کوہستان ہند میں اسلام کی شمعیں جلائیں۔ محمود نے اپنے نویں حملہ میں راجہ جے پال (جو کہ اس وقت جہلم، چکوال، پنڈدادنخاں پر حکومت کرتا تھا) نندنا کے مقام پر ایسی بڑی شکست دی کہ وہ کشمیر کی طرف بھاگ گیا تھا محمود نے ۱۰۲۵ء میں سومنات پر حملہ کر کے اسے تباہ و برباد کر دیا

کسی اہل دل شاعر نے اس جنگ کا مختصر نقشہ یوں کھینچا ہے

اس طرف تھے نظم لشکر کے نگہباں سینکڑوں
اس طرف تھی فوج اسلامی کی قائد ایک ذات
کعبہ والوں نے جو یورش کی بہ آئینِ جہاد
ایک ہی حملے میں غارت تھا شکوہِ سومنات

دربار غزنوی کے مشہور عالم فاضل اور منجم ابوریحان البیرونی نے پنڈدادنخاں (ضلع جہلم) میں نندنا کی پہاڑیوں پر بیٹھ کر زمین کا قطر معلوم کیا تھا اور یہیں پر اپنی شہرہ کتاب "کتاب الہند" کو پایہ تکمیل تک پہنچایا تھا۔ محمود غزنوی نے ضلع جہلم کو مکمل

طور پر اسلامی سلطنت میں شامل کرنے کا آغاز کیا' جسے بعد میں شہاب الدین غوری نے مکمل کیا۔

غوری کے بعد ضلع جہلم میں مختلف قبیلوں نے اپنے اپنے علاقوں میں خودمختار قبائلی حکومتیں قائم کر لیں اور آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے ان میں گکھڑ' گجر' جنجوعے اور جاٹ قبیلے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۱۴۵۱ء میں بھلوال لودھی نے پہلے سرہند اور اس کے بعد پورے پنجاب پر قبضہ کر لیا اس کے عہد میں ۱۴۵۱ سے ۱۴۸۹ تک شہر جہلم خاص و عام کی نظروں کا مرکز بن گیا اور ہند پاک کے مختلف شہروں سے خوش عقیدہ راجاؤں' جوگیوں' درویشوں اور سادھوؤں کے قافلے ٹلے کی طرف آنا شروع ہو گئے۔ اور جہلم شہر میں خاصی گہماگہمی اور رونق ہو گئی۔ اسی دور میں سرزمین پنجاب کی مشہور لوک کہانی "ہیررانجھا" کا آغاز ہوا اور رانجھا ہیر حاصل کرنے کی غرض سے ٹلے پہنچا اور گوروبالناتھ کا چیلہ بن گیا۔ رانجھا جوگی تو بن گیا لیکن جوگ کا رنگ' جاٹ پن اور رانجھے کے اکھڑپن پر غالب نہ آ سکا۔ اس لئے رانجھا جوگی بن کر بھی جاٹ کا جاٹ ہی رہا اس نقلی جوگی کے کردار کا تجزیہ پیر وارث شاہ نے یوں کیا ہے

داڑھی من تقدیر نے کن پاڑے اڑی گدھے مالی اجے جٹ دی اے

اس دور کی کتابوں میں ٹلے کا نام کوہ بالناتھ لکھا ہوا ہے۔

بہلول لودھی کے بعد جب مغل حکومت کے بانی ظہیر الدین بابر نے ۱۵۲۳ میں پہلے پہل جہلم کی طرف پیش قدمی کی تو جنجوعوں نے فورا اطاعت قبول کر لی۔ لیکن گکھڑوں نے پہلے تو مزاحمت کی لیکن جب شکست نظر آئی تو صلح کر لی اور بابر کو اپنی مدد اور خدمت کی پیش کش کی جسے اس نے قبول کر لیا بابر کے عہد میں اس ضلع میں یوسف زئی قبیلے کا بھی زور تھا۔ بابر نے اس قبیلے کو بھی مطیع کر لیا۔

جب ہمایوں کو شیر شاہ سوری نے شکست دے کر ملک بدر کر دیا تو گکھڑوں نے نئے حکمران کو تسلیم کرنے سے بالکل انکار کر دیا۔ البتہ ہمایوں دوبارہ برسراقتدار آیا تو انہیں ان کی وفاداری کا بہت اچھا صلہ دیا۔

۱۵۴۰ء میں شیر شاہ سوری نے جب عنان حکومت ہاتھ میں لی تو جہلم سے راولپنڈی تک گکھڑوں نے ادھم مچا رکھا تھا۔ شیر شاہ سوری نے اپنے دور اقتدار میں گکھڑوں کی سرکوبی کے لئے جہلم کے قریب قلعہ رہتاس تعمیر کروایا۔ اور خلیج بنگال سے لے کر رہتاس تک ایک بہت بڑی سڑک بنوائی اور کئی سیڑھی دار کنوئیں یعنی باولیاں تعمیر کروائیں۔ شیر شاہ سوری کے دور میں جہلم کو ایک تازہ زندگی ملی۔ شیر شاہ سوری کی وفات کے بعد اس جانشینوں اور ضلع جہلم کے گکھڑوں میں کئی خونریز معرکے ہوئے اور سخی خواص خان اور دوسری کئی لوگ کہانیوں نے جنم لیا جن کا تذکرہ آگے چل کر مناسب مقام پر کیا جائے گا۔

سوری خاندان کے زوال اور ہمایوں کی وفات کے بعد ۱۵۷۹ میں ہمایوں کے فرزند مشہور مغل فرمانروا جلال الدین اکبر نے پورے ضلع جہلم کو سندھ ساگر سرکار میں شامل کر لیا جس کا رقبہ سرسری طور پر جہلم راولپنڈی اور شاہ پور کے مجموعی رقبہ کے برابر تھا۔ اکبر خان نے مان سنگھ کو رہتاس کا گورنر مقرر کر کے جہلم سے سوہاوہ تک پورے پوٹھہار کا علاقہ اس کی تحویل میں دے دیا تھا۔ رہتاس میں مان سنگھ کے محلات کے کھنڈر پاکستان بننے تک موجود تھے اکبر کے بعد جہانگیر کے عہد میں بھی جہلم کو ایک خاص مقام حاصل تھا۔

جہلم میں جہانگیر کو ایک المناک حادثہ بھی پیش آیا تھا کابل جاتے ہوئے جب جہانگیر دریائے جہلم کو عبور کر رہا تھا اور فوج دو حصوں میں بٹی ہوئی تھی تو اس کے ایک باغی جرنیل مہابت خاں نے جہانگیر کو گرفتار کر لیا۔ جب نورجہاں کو یہ خبر ملی تو وہ

بہت تلملائی اور اس دانشمند خاتون نے معاملہ فہمی سے کام لیا اور ایک گہری چال چل کر اپنے شوہر کو آزاد کروالیا جبکہ حضرت شیخ احمد سرہندی کی سوانح حیات کے مصنف کے قول کے مطابق جب جہانگیر مارچ ۱۶۲۶ء میں کابل روانہ ہوا تو دریائے جہلم کے کنارے پڑاؤ پر حملہ کر کے جہانگیر اور نورجہاں کو گرفتار کر لیا لیکن اپنے مرشد شیخ احمد سرہندی کے حکم پر انہیں رہا کر دیا گیا جہانگیر اس واقعہ سے متاثر ہو کر قلعہ گوالیار میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر معذرت خواہ ہوا اور انہیں رہا کر دیا۔

جہانگیر کے بیٹے شاہجہان نے جب اپنی پیاری بیگم ممتاز محل کو آگرہ میں ایک شاندار اور ایک عجوبہ روز گار مقبرہ بنام تاج محل بنوایا تو تاج محل تعمیر کرنے والے معماروں میں جہلم کے ماہر کاریگر بھی شامل تھے جو اپنے فن میں استاد مانے جاتے تھے۔ یہاں کی عوامی روایات کے مطابق بہلول لودھی بابر' شیر شاہ سوری' اکبر اور جہانگیر اپنے اپنے دور حکومت میں جہلم ٹلے اور رہتاس میں دربار خاص لگا کر عوام کی شکایت سنتے اور ان کا ازالہ کیا کرتے تھے۔ نیز قلعہ رہتاس پہلے منڈی کے نام سے مشہور تھا اور یہاں کے عوام کہتے ہیں کہ منڈی میں سکھ مذہب کے بانی بابا گورونانک بھی ایک بار یہاں آئے تھے وہ اس مقام پر کئی دنوں تک محو عبادت رہے تھے۔ یہ وہی گورونانک ہیں جو شاعر بھی تھے اور جن کے متعلق علامہ اقبال نے فرمایا تھا۔

پھر اٹھی آخر صدا توحید کی پنجاب سے
ہند کو اک مرد کامل نے جگایا خواب سے

شاہجہاں کے بعد اس کا بیٹا اورنگ زیب عالمگیر اپنے تمام بھائیوں کو قتل کرنے کے بعد ہندوستان کے تخت پر بیٹھا۔ اس کے عہد میں جہلم میں کوئی خاص واقعہ ظہور پذیر نہیں ہوا۔ البتہ مقامی روایات کے مطابق عالمگیر نے دریائے جہلم کے مشرقی کنارے پر شہر جہلم سے دو میل کے فاصلہ پر ایک نیا شہر سرائے عالمگیر آباد کیا جو اب

تک قائم ہے۔ عالمگیر کی وفات کے بعد اس کا لڑکا معظم کابل کا حکمران تھا اور عالمگیر نے دہلی اور اس کے گردونواح کے علاقے اپنے دوسرے لڑکے اعظم کو سونپ رکھے تھے۔ لیکن محمد اعظم سارے ہند کا بادشاہ بننا چاہتا تھا اس لئے اس نے تمام فوج کو اکٹھا کیا اور معظم کے ساتھ جنگ کرنے کی غرض سے دارالخلافہ دہلی سے چل پڑا۔ اور معظم بھی اپنی فوج لے کر آگرے پہنچ گیا۔ آگرہ کے مقام پر دونوں لشکروں میں گھمسان کی جنگ ہوئی اعظم مارا گیا جبکہ معظم کامیاب ہو کر بہادر شاہ اول کے لقب سے تخت دہلی پر بیٹھا۔

جب معظم اپنے لشکر سمیت کابل سے آگرہ کی طرف آ رہا تھا تو دریائے جہلم کے مغربی کنارے پر کالا کے حاکم چوہدری عبدالرحیم نے اس کا خیر مقدم کیا اور تحائف پیش کئے اور ساتھ ہی سارے لشکر کو کھانا بھی کھلایا۔ جب معظم اعظم کو شکست دے کر ہند کا بادشاہ بنا تو اس نے چوہدری عبدالرحیم کو چوراسی ۸۴ گاؤں کا گورنر مقرر کر دیا۔ اور کچھ مورخین کا خیال ہے کہ کالا کے گوجر حاکم عبدالرحیم کو چوہدری کا خطاب بھی معظم شاہ ہی نے دیا تھا۔ چوہدری عبدالرحیم بڑا ذہین' ہوشیار اور بہادر انسان تھا۔ اس کے اور گکھڑوں کے درمیان اکثر لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔

جہلم خالصہ راج میں

معظم کی وفات کے بعد سکھوں کی طاقت بہت بڑھ گئی اور انہوں نے پورے پنجاب میں لوٹ مار مچا دی۔ ہر طرف قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیا اور مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہانے لگے۔ یہ دلخراش اور دل دوز منظر دیکھ کر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے احمد شاہ ابدالی و الئی کابل کو ہند پر حملہ کرنے کی دعوت دی تاکہ مسلمانوں کو سکھوں کے مظالم سے نجات ملے۔ احمد شاہ ابدالی ایک زبردست لشکر لے کر جہلم پہنچا ور بحرالفیض حیدری کے مصنف جناب محمد فاضل عارف کے مطابق یہ

سیدھا حضرت میراں حیدر شاہؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر طالب دعا ہوا آپ نے دعا فرمائی اور فتح کی خوشخبری دی۔

احمد شاہ ابدالی ایک بلائے ناگہانی کی طرح سکھوں پر ٹوٹ پڑا۔ سکھوں کو ہر مقام پر ہزیمت کا منہ دیکھنا پڑا۔ سکھ میدان میں تو شکست کھا جاتے۔ مگر شکست کھا کر پہاڑوں میں جا چھپتے اور احمد شاہ ابدالی کے چلے جانے کے بعد پہاڑوں سے نکل کر پھر لوٹ مار شروع کر دیتے احمد شاہ ابدالی نے پنجاب اور ہند پر کئی حملے کئے اور پنجاب میں سکھوں کو اس قدر مارا پیٹا کہ وہ اس کے آنے کی خبر سنتے ہی پہاڑوں میں چھپ جاتے تھے۔ اس زمانے میں سکھوں نے یہ اکھان بنایا ہوا تھا۔

کھادا پیتا لاہے دا باقی احمد شاہے دا

احمد شاہ ابدالی کے بعد زمان شاہ نے پنجاب پر کئی حملے کئے اور سکھوں کو سخت نقصان پہنچایا لیکن زمان شاہ کے جانے کے بعد سکھوں کو لوٹ مار سے باز رکھنے والی کوئی طاقت موجود نہیں تھی اس وقت گکھڑ، جنجوعے، گوجر، جاٹ اور کھوکھر آپس میں برسر پیکار تھے۔

گکھڑوں نے گجرات میں چیلیانوالہ کے مقام پر سکھوں سے ٹکر لی مگر انہیں شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ اور سکھ آہستہ آہستہ پورے پنجاب پر قابض ہو گئے خالصہ راج کو رنجیت سنگھ کے عہد میں بڑا عروج حاصل ہوا۔ رنجیت سنگھ نے کسک اور کھیالہ کا محاصرہ کر کے انہیں فتح کر لیا تھا۔ اس موقع پر مسٹر تھامسن ضلع جہلم کے گزیٹر مطبوعہ ۸۴ - ۱۸۸۳ صفحہ ۴۵ پر لکھتے ہیں

"اورنگ زیب اور اس کے جانشینوں کی حکومتوں کے زوال پذیر ہونے سے مقامی قبائل زیادہ طاقتور ہو گئے اور انہوں نے مغلیہ سلطنت سے وفاداری کے بجائے نادر شاہ اور زمان شاہ (والیان افغانستان) کے ہاتھ مضبوط کرنے شروع کر دیئے۔ جن کی

طرف سے ایک گورنر اور فوجی دستہ خاصی مدت تک قلعہ رہتاس میں مقیم رہا"

لیکن اس دور میں سکھوں کی طاقت عروج حاصل کی گئی چنانچہ ۱۷۶۵ء میں سکھوں نے گجرات کے مقام پر گکھڑوں کو مکمل طور پر شکست دے کر مغلوب کر لیا اور اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد کالا کے چوہدریوں نے سکھوں کو جہلم سے اس پار آنے کی دعوت دی اور پھر سارا ضلع جہلم بتدریج سکھوں کے تسلّط میں آ گیا لیکن رنجیت سنگھ کے عہد تک مکمل تسلط نہ جم سکا۔ رنجیت سنگھ نے اپنی قیادت میں کوہستان نمک کے مشرق میں کئی جنجوعہ قلعوں کا محاصرہ کر کے انہیں فتح کیا۔

مقامی قبائل کی خود مختاری کے زائل ہونے کا کچھ افسوس بھی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ان سے قبل سارا ضلع دائمی طور پر معمولی نوعیت کے جھگڑوں کا ایسا گڑھ بنا ہوا تھا جہاں قبیلہ، قبیلے سے سردار سردار سے اور گاؤں گاؤں سے برسرپیکار تھا۔ معاشرہ ایک ایسے غیر مستحکم ماحول میں سانس لے رہا تھا جسے آئے دن شریر لوگ، قاتل اور ڈاکو تاراج کر دیتے تھے ہمارے علاقے کے بعض دیہات میں اب بھی ایسے اونچے مقامات دیکھے جاتے ہیں جہاں ہمیشہ اسی غرض سے پہرہ دار متعین ہوا کرتے تھے کہ دشمن کو دیکھتے ہی خطرے کا ڈھول پیٹنا شروع کر دیں۔

سکھوں نے اس بد نظمی کو دور نہیں کیا اور شاید وہ دور کر بھی نہیں سکتے تھے کیونکہ سکھوں میں انتظامی قابلیت کا فقدان تھا لیکن انہوں نے اپنی سرحدوں میں تخفیف کر کے تشدد میں قدرے کمی ضرور کی وہ خود ہر اس چیز سے بے خبر رہے جو ان کی حاکمیت اور محصولات کو متاثر نہ کرتی تھی تاہم انہوں نے معاشرے کو یکجا رکھا اور طوائف الملوکی کو پھیلنے سے روکا۔ اس دور میں مختلف علاقوں میں کاردار اور سردار یکے بعد دیگرے بڑی سرعت کے ساتھ برسراقتدار آئے۔ ان میں سے اہم ترین جموں کا گلاب سنگھ ہے جس نے گکھڑوں پر حکومت کی اور کھیوڑہ کی نمک کی کانوں کا انتظام

کیا۔

چتر سنگھ جہلم کی پبی اور چکوال کی لنڈی پٹی میں ایک طاقتور حاکم کی حیثیت رکھتا تھا۔ اتم سنگھ برالی کی پہاڑیوں اور ڈمن کے نزدیکی علاقے کی مشہور شخصیت تھا چھاچھی سردار اور دھنہ سنگھ ضلع کے مغرب میں نہایت طاقتور حاکم تھے۔ ۱۸۴۹ء میں تقریبا سارے ضلع جہلم نے چتر یا چھتر سنگھ کے جھنڈے تلے سکھوں کی دوسری لڑائی میں شرکت کی اور وہ بڑی بہادری سے چلیانوالہ اور گجرات میں انگریزوں سے لڑے جس کے نتیجے میں میجر نکوالسن اور سمری کورٹ کے دوسرے آفیسروں کے ہاتھوں بغاوت کی سزا پائی۔ اس جنگ میں کالا گوجراں کی رانی سدا کور کا دوہتا شام سنگھ جو رنجیت کا بیٹا تھا اور رانی سدا کور کی بیٹی مہتاب کور کے بطن سے تھا بڑی بہادری سے انگریزوں کے خلاف لڑتا ہوا۔ مارا گیا تھا۔

سکھوں نے اپنے دور حکومت میں مسلمانوں پر ظلم کی انتہا کر دی تھی۔ سکھ قوم اس وقت خونخوار درندوں کا ایک گروہ بن کر مسلمانوں کو گوشت نوچتی اور خون پیتی رہتی تھی۔ مسلمانوں پر سکھوں کے انتہائی ظلم و ستم کا ردعمل یہ ہوا کہ بریلی (بھارت) کے ایک ممتاز عالم دین اور صاحب کردار بزرگ حضرت سید احمد بریلوی نے سکھوں کے خلاف اعلان جہاد کر دیا۔ اور ہندو پاک کے مختلف شہروں سے مسلمان بریلی پہنچ کر آپ کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے۔

سید صاحب نے رفتہ رفتہ ایک معمولی سا لشکر بنا لیا اور صوبہ سرحد کی طرف چل پڑے مگر ان کے مقابلہ میں بدھ سنگھ کا ایک جرار لشکر اور جنرل ونٹورا کا توپ خانہ تھا لیکن آپ نے پھر بھی کئی معرکوں میں مختلف مقامات پر سکھوں کو شکست دی۔ لیکن سرحد کے پختون سردار کی غداری کے سبب سید صاحب اور ان کے مخلص مرید مولانا اسمٰعیل اور مولانا عبدالحئی اور دیگر مجاہدین ہزاروں سکھوں کو قتل کرنے کے بعد خود بھی

بالاکوٹ کے مقام پر شہید ہو گئے

خدا رحمت کندایں عاشقانِ پاک طینت را

ان شہیدوں میں شہر جہلم کے کچھ جیالے بھی شامل تھے

تفصیل کے لئے مولانا غلام رسول مہر مرحوم کی کتاب سرگزشت مجاہدین ملاحظہ فرمائیں

جہلم برطانوی راج میں

۱۸۵۷ء میں جب برصغیر کے مسلمان جنگ آزادی لڑنے میں مصروف تھے تو اس وقت جہلم چھاؤنی میں ایک ہندوستانی توپ خانہ اور دو پلاٹون ۱۴ نمبر اور ۳۹ نمبر موجود تھیں۔ جن میں مسلمانوں کی اکثریت تھی کیونکہ یہاں پر گورا فوج موجود نہ تھی اس لئے برطانوی حکام کو مسلمانوں کی طرف سے بغاوت کرنے کا سخت اندیشہ تھا برطانوی حکام نے یہ چال چلی کہ پہلے ۳۹ نمبر کی پلاٹون کو بغیر میگزین کے ڈیرہ اسماعیل خان چلے جانے کا حکم دیا۔ پھر توپ خانہ کو لاہور بھیج دیا اور جب توپ خانہ لاہور پہنچا تو اس کے جوانوں سے توپیں واپس لے لیں۔ اب جہلم میں صرف ۱۴ نمبر پلاٹون رہ گئی تھی۔ اور اس میں سب سپاہی مسلمان تھے اس پلاٹون کو یوں ٹھکانے لگایا گیا کہ اس کی دو کمپنیاں راولپنڈی روانہ کر دی گئیں۔ اور پھر راولپنڈی سے گورا فوج معہ توپ خانہ کے منگوائی گئی اور پھر گوروں اور سکھوں نے مل کر مسلمان سپاہیوں سے ہتھیار چھیننے کی کوشش کی لیکن مسلمان سپاہی مقابلہ پر ڈٹ گئے اور جنگ شروع ہو گئی اس میں کئی انگریز افسر اور سکھ مارے گئے اور ایک سو پچاس مسلمان بھی شہید ہو گئے۔

جب نمبر ۱۴ پلاٹون کے مسلمان سپاہیوں نے انگریزوں کو ہتھیار نہ دیئے بلکہ بغاوت کر دی تو ان کے ساتھ شہر جہلم اور سرزمین پوٹھوار کے جیالے بھی شامل ہو گئے

تھے جن میں کچھ تو انگریزوں کے ساتھ لڑتے ہوئے شہید ہو گئے اور جو بچ گئے انہیں گرفتار کر کے بر سر راہ پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ پھانسی پر مسکراتے ہوئے جام شہادت نوش کرنے والوں میں جہلم کے سید کرم علی' امیر علی' تاج دین اور ڈاکٹر رسول بخش اور ان کے کئی اور ساتھی بھی شامل تھے۔ جن کے نام کوشش بسیار کے باوجود دستیاب نہ ہو سکے۔ آزادی کے ان متوالوں نے اپنی جانیں قربان کر دیں۔ لیکن برطانوی سامراج کی اطاعت قبول نہ کی۔

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے اس جان کی تو کوئی بات نہیں

جنگ آزادی کی تحریک میں سکھوں اور ہندوؤں نے انگریزوں کا ساتھ دیا تھا (سوائے جھانسی کی رانی کے) اس لئے یہ ملک گیر تحریک تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ختم ہو گئی اور پورے برصغیر پر برطانوی راج کا پرچم لہرانے لگا تحریک آزادی کے ناکام ہونے پر برطانوی سامراج کے غنڈوں کی ٹولیاں ایک خاصی مدت تک مسلمانوں کے خون سے ہولیاں کھیلتی رہیں۔ برطانوی حکمرانوں نے شروع میں جبر و تشدد سے کام لیا' لیکن کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے جبر کی پالیسی ترک کر کے ایسی حکمت عملی اختیار کی جس سے برصغیر پاک و ہند پر ان کی گرفت مضبوط سے مضبوط تر ہوتی گئی۔ برطانوی حکمران بڑے ذہین اور معاملہ فہم اور ہوشیار اور شاطر ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے اچھے منتظم بھی تھے ان کی انتظامی قابلیت ہی نے انہیں مثالی حکمران بنا دیا تھا۔ انہوں نے ضلع گجرات' شاہ پور' راولپنڈی اور جہلم کو صنعتی اور علمی اداروں سے یکسر محروم رکھا اور ان اصلاع کو فوجی بھرتی کے لئے مختص کر دیا۔ جنگ عظیم اول اور دوئم میں جس ہندوستانی فوج کی بہادری کے چرچے زبان زد خلائق تھے وہ انہیں چار اضلاع کے جوانوں پر مشتمل تھی۔

برطانوی دور میں

برطانوی دور میں ضلع جہلم راولپنڈی ڈویژن کے چار اضلاع میں سے ایک تھا اور اس کی یہ حیثیت اب بھی برقرار ہے یہ راولپنڈی کو شاہ پور سے سندھ ساگردو آبہ کے سرے پر ناہموار پہاڑی علاقے کا جنوبی نصف بناتے ہوئے علیحدہ کرتا ہے۔ یہ شمالی طویل بلد کے ۲۶۔۳۲ اور ۱۵۔۳۳ اور مشرقی طول بلد کے ۵۱۔۱۷ اور ۵۰۔۷۳ کے درمیان واقع تھا اس کے شمال میں ضلع راولپنڈی' جنوب کی طرف دریائے جہلم اور ضلع سرگودھا مشرق کی طرف گجرات اور دریائے جہلم اور مغرب میں ضلع سرگودھا بنوں اور راولپنڈی واقع ہیں۔ ضلع کی شکل ایک بھدے طریقے سے قصاب کے چھرے یا چھوٹے کلہاڑے سے ملتی جلتی ہے جس کا چھوٹا مگر موٹا دستہ مغرب کی جانب ہے اور تیز حصے کا کنارہ جنوب کی طرف مڑا ہوا ہے۔ مشرق سے مغرب تک آخری لمبائی تقریبا ۱۲۰ میل یا ۱۹۵ کلو میٹر ہے جبکہ اوسط چوڑائی شمال سے جنوب کی طرف تقریبا ۳۶ میل یا ۵ء۵۶ کلو میٹر ہے اور یہ شہر کے قریب بمشکل ۱۲ میل یا ۵۔۱۹ کلو میٹر ہے یہ بات بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ ۱۸۸۴ء میں ضلع جہلم تحصیل جہلم پنڈدادنخاں' چکوال اور تلہ گنگ چار تحصیلوں پر مشتمل تھا۔ آخر الذکر تحصیل تلہ گنگ اور چکوال اب جہلم میں شامل نہیں ہے۔

۱۸۸۱ء میں تحصیل جہلم کی آبادی ۱۰۷ ۔ ۲۱ نفوس پر مشتمل تھی۔ اور پنڈ دادن خان میں ۲۴۷ ۔ ۱۶ نفوس بستے تھے حکومت کے انتظام کے مراکز جہلم کے شہر میں تھے جو مرکز سے بہت دور ہٹتے ہوئے ضلع کے انتہائی جنوب مشرقی کنارے پر واقع ہیں یہاں پر عموما ایک اسسٹنٹ کمشنر ہوتا تھا۔

۱۸۸۱ء سے پہلے جہلم ایک قصبہ کہلاتا تھا۔ لیکن برطانوی حکومت کی ۱۸۸۱ کی

مردم شماری میں ان تمام جگہوں کو جن کی آبادی پانچ ہزار نفوس سے زیادہ تھی۔ تمام میونسپل، کمیٹیوں، تمام ضلعی صدر مقامات اور عسکری ٹھکانوں کو شہروں کا درجہ دے دیا تھا۔ اس ضابطے کے تحت حسب ذیل مقامات ضلع کے شہر بن گئے۔

تحصیل	شہر	افراد	مرد	عورتیں
جہلم	جہلم	۲۱۱۰۷	۱۴۹۶۳	۶۱۴۴
پنڈدادنخاں	پنڈدادنخاں	۱۶۷۲۴	۸۹۹۵	۷۷۲۹
چکوال	چکوال	۵۷۱۷	۲۹۹۴	۲۸۲۳
تلہ گنگ	تلہ گنگ	۶۲۳۶	۳۲۳۸	۲۹۹۸

شہر جہلم

موجودہ شہر جہلم شمالی عرض بلد ۵۶ ‘۳۲ اور شمالی طول بلد کے ۴۷ ‘ ۷۳ پر واقع ہے۔ اس کی آبادی ۱۸۸۱ میں ۲۱۱۰۷ نفوس تھی۔ اب ۱۹۸۱ میں ایک لاکھ آٹھ ہزار نفوس پر مشتمل ہے یہ شہر دریائے جہلم کے دائیں کنارے پر آباد ہے یہ دریا شہر کے بالکل ساتھ بہتا ہے اس لئے نکاسی آب کی بہت زیادہ سہولت مہیا کرتا ہے شہر کے گرد درختوں کے جھنڈ یا باغات نہیں ہیں لیکن دریا کے کنارے سے دوسرے کنارے کا نظارا قابل دید ہے۔

اول دریا کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا چوڑا پاٹ جو کنارے کے درختوں سے سجا ہوا ہے پھر گرجا گھر کی ابھرتی ہوئی چوٹی، مسجد افغاناں کے بلند مینار حضرت سلیمان پارسؒ اور کرم شاہ بخاریؒ کے مزاروں کے دلکش مناظر دلوں کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔

دوسری طرف ٹبی کی پہاڑیوں کی پشت میں سرسبز علاقہ ہے ٹبی کی پہاڑیوں کا ایک

اکیلا سلسلہ کوہ ہے جو اس میدان میں اور شمال کی جانب زیادہ بلند پہاڑوں سے زاویہ قائمہ پر واقع ہے سول لائنز اور عوامی دفاتر شہر کے شمال مشرق میں ایک میل پر واقع ہیں۔ اور جنوب مغرب کی طرف تقریبا اتنے ہی فاصلے پر چھاؤنی کا علاقہ ہے زمین سخت اور پتھریلی ہے اس لئے سڑکوں کے کناروں پر لگائے ہوئے درختوں کی نمو سُست ہے لیکن پھر بھی چند سڑکوں پر سرسبز درختوں کی گھنی چھاؤں نے چھاؤنی کے علاقہ کو ٹھنڈا اور خوبصورت بنا دیا ہے، چھاؤنی کا مضافاتی علاقہ پہلے بالکل بیابان ویران، اور بنجر میدان تھا لیکن اب یہاں پر تعمیرات کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے اس جگہ کے کھلے میدان سنسان ہیں مگر ایک عجیب نظارا مہیا کرتے ہیں جو اس مشینی دور میں دلوں کو سکون بخشتا ہے چھاؤنی میں ایک باغ بھی ہے اور گوروں کا قبرستان بھی، اس کے علاوہ کمبائنڈ ملٹری ہسپتال بھی انگریزی دور کی عمارات میں شامل ہے چھاؤنی کا گرجا گھر بڑا خوبصورت ہے اس کی چوٹی ریلوے لائن اور دوسری سڑکوں سے کئی میل کے فاصلہ سے بھی دیکھی جا سکتی ہے شہر کو دو بڑی سڑکیں جو مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب کی طرف جاتی ہیں ترچھے انداز میں قطع کرتی ہیں یہ دونوں سڑکیں ایک دوسرے کو کاٹتی ہوئی ایک بڑا چوک بناتی ہیں جو اب شاندار چوک کے نام سے موسوم ہے اس شہر کی گلیاں پکی ہیں لیکن زیادہ کشادہ نہیں ہیں نکاسی آب و صفائی کے انتظامات کسی حد تک تسلی بخش ہیں انہیں پانی کی دستیابی نے سہولت اور آسانی مہیا کی ہے۔ یہ پانی شہر کی سب گندگی بہا کر لے جاتا ہے عوام کے لئے باقاعدہ اور بڑے پیمانے پر پانی کی فراہمی (واٹر سپلائی) کا انتظام نہیں ہے لیکن کنوئیں ۱۸ سے ۲۰ فٹ تک کی گہرائی پر پینے کا پانی مہیا کر دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ دریا کا پانی بھی بہت اچھا ہے۔

موجودہ شہر جدید طرز کا ہے مقامی عوامی اور تاریخی روایات اسے سکندر کے آباد کردہ شہروں میں جگہ دیتی ہیں۔ ان روایات کے مطابق سکندر اعظم نے راجہ پورس پر

فتح حاصل کرنے کی خوشی میں بطور یادگار شہر آباد کیا تھا۔
لیکن جنرل کننگھم کی تحقیقی سروے رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جہلم کا پرانا شہر دریا کے مشرقی کنارے سرائے عالمگیر کی حدود میں واقع تھا اور اس کے کچھ حصے اب تک موجود ہیں جنرل کننگھم کی تحقیق کے مطابق تقریبا ۱۵۳۲ء میں کچھ ملاحوں نے ناؤ کشتی (کشتی رانی) کے طریقوں کو بہتر اور آسان بنانے کے غرض سے دریا کے بائیں کنارے پر اپنے آپ کو آباد کیا اور اس طرح جدید شہر کی بنیاد رکھی گئی اور نئی آبادی بتدریج بڑھتی گئی۔ برطانوی دور میں یہ شہر چند سالوں تک کمشنر کی سیٹ رہا پھر ۱۸۵۰ء میں کمشنر کا دفتر راولپنڈی منتقل کر دیا گیا۔
سکھوں کے دور میں جہلم شہر کو دریا کی یلغار سے بچانے کے لئے ایک قلعہ تعمیر کیا گیا تھا اب یہ قلعہ موجودہ شہر میں ضم ہو گیا ہے۔ لیکن پرانے آدمی اب بھی اسے اندر کوٹ محلہ کہتے ہیں یہ شہر شروع سے گندم، لکڑی اور نمک کے سلسلے میں ضلع کے زیادہ تر حصے کا تجارتی مرکز ہے پہلے زمانے میں نمک پنڈدادنخاں سے دریا کی بالائی سمت سے کشتیوں کے ذریعے جہلم لایا جاتا تھا۔ اور پھر سارے ملک میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ لیکن ۱۸۷۳ء میں جہلم اور لاہور کے درمیان ریل کی پٹڑی کی تکمیل کے سبب نمک کی تجارت کا رخ تبدیل ہو گیا۔ اب یہ ریل کے ذریعے سیدھا لاہور جاتا ہے برطانوی عہد میں اس شہر کو ۱۸۸۷ء میں دوسرے درجے کے بلدیہ کی حیثیت دے دی گئی تھی۔ بلدیہ کا صدر ڈپٹی کمشنر ہوتا تھا سول سرجن سپرنٹنڈنٹ پولیس، تحصیلدار اور ضلعی سکول کا ہیڈ ماسٹر اس کمیٹی کے نیم سرکاری ممبر ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ بارہ غیر سرکاری ممبر ہوتے تھے۔ جنہیں ڈپٹی کمشنر منتخب کرتا تھا۔ برطانوی دور میں شہر کے بڑے ادارے اور عمارتیں حسب ذیل تھیں۔
۱۔ خیراتی ڈسپنسری ۲۔ ڈسٹرکٹ سکول ۳۔ میونسپل ہال اور اس سے ملحق

پھولوں کا باغیچہ ڈپٹی کمشنر کی عدالت اور رہائش گاہ اور اس کے اردگرد پولیس کا دفتر، جیل اور خزانہ

عمارات

سول لائن میں ایک خوبصورت، عوامی باغ جو کچہری کی زمینوں کے ساتھ ملحق ہے عوامی روایات کے مطابق اس کا نام کمپنی باغ ہے اور اسے ایسٹ انڈیا کمپنی کے سربراہوں نے بنوایا تھا۔ اس باغ میں باجے والوں کے لئے ایک چبوترہ، ہرنوں کے لئے احاطہ اور گھاس کا میدان معہ ٹینس کورٹوں کے ہے اس باغ میں آموں کے چند ایسے پیڑ بھی ہیں جن کے آم بہت ہی لذیذ اور شیریں ہیں۔

شہر میں دو عوامی سرائے بھی تھیں۔ ایک دریا کے کنارے پر تھی جسے منگل سین کی سرائے کہا جاتا تھا اور دوسری ریلوے روڈ پر واقع تھی جسے دیوی داس سرائے کہا جاتا تھا (اب اس کا نام گلشن سرائے پڑ گیا ہے)

جوبلی گھاٹ

جسے جارج پنجم کی تاج پوشی کی یاد میں، لالہ دھنپت رائے نے دریا کے کنارے بنوایا تھا اور اس موقع پر ایک بہت بڑی تقریب میں رائے صاحب نے جہلم چھاؤنی کے تمام فوجی آفیسروں اور سول آفیسروں کو معہ ان کے سٹاف ایک شاندار دعوت بھی دی تھی اور بڑا شاندار جشن منایا تھا دھنپت رائے انگریزی عہد میں اعزازی مجسٹریٹ کے عہدہ پر فائز تھے بڑے رحم دل اور غریب پرور انسان تھے۔ مقام افسوس ہے کہ اب ہماری بے حسی اور غفلت کے باعث جوبلی گھاٹ اور اس کی تمام رونقیں ختم ہو گئی ہیں۔ ایک وہ زمانہ تھا جب اہل جہلم کے تمام سیاسی اور سماجی نوعیت کے جلسے جوبلی گھاٹ پر ہوا کرتے تھے اور یہاں پر آٹھوں پہر چہل پہل رہا کرتی تھی اور پیرا غائب سے لے کر سعیلے تک دریا کا کنارا ایک حسین و جمیل سیر گاہ تھا۔

جہلم کی سیاسی جماعتیں

برطانوی راج میں ایک گرجا گھر شمالی محلہ میں ہوتا تھا اور دوسرا چھاؤنی میں تھا۔ برطانوی حکومت اگرچہ استحکام کے لحاظ سے ایک مضبوط قلعہ کے مانند تھی۔ لیکن تحریک آزادی کے دریا کی باغی سرکش لہریں بھی اس قلعہ سے مسلسل ٹکراتی رہیں۔ ان سرکش لہروں سے یہ قلعہ منہدم تو نہ ہوا لیکن قلعہ کے نقوش اور رنگ و روغن بڑی حد تک مدھم پڑ گئے اور قلعہ کی بنیادیں لرز گئیں۔

اس دور میں خلافت کمیٹی، کانگرس، خاکسار جماعت، مجلس احرار، حزب اللہ جماعت اسلامی اور مسلم لیگ کی تحریکیں حصول آزادی کے لئے سرگرم عمل تھیں ان سیاسی تحریکوں میں اگرچہ اختلافات موجود تھے۔ لیکن ان سب کا مشترکہ مشن، فرنگی کو ہندوپاک سے نکالنا تھا ان تحریکوں میں سرزمین جہلم کے شیر دل جیالے بھی پورے جوش اور ولولہ کے ساتھ شریک تھے۔ تقریباً ۱۹۴۲ء تک جہلم میں ہندو مسلم اتحاد کی فضا قائم تھی۔ لیکن اس کے بعد کانگرس کی ہٹ دھرمی اور کچھ متعصب ہندو لیڈروں کی مسلم کش پالیسی کے باعث، مسلمانوں کی اکثریت کانگرس سے بددل ہو گئی اور اس کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ آل انڈیا مسلم لیگ کانگرس کی حریف بن کر سیاسی میدان میں کود پڑی۔ یوں تو اس زمانے میں ہر فرد حصول آزادی کے لئے کوشاں تھا اور ہندو پاک کی پوری فضا سیاسی نعروں سے گونج رہی تھی۔ شہروں، دیہاتوں، گلیوں اور بازاروں، جیلوں، درسگاہوں اور عبادت کدوں سے مسلسل اس قسم کی آوازیں آ رہی تھیں کہ

اٹھوں چک لے فرنگیا ڈیرا

ہن راج نیئں رہنا تیرا

کانگرس کا المناک جلسہ

یہ جلسہ غالباً ۱۹۱۸ میں گڑھی کے مقام پر منعقد ہوا تھا اس جلسہ میں اہل کالا کے علاوہ جہلم سے بابو فضل الہٰی' ڈاکٹر نذیر محمد کچلو ایڈووکیٹ اور ان کے ہمراہ کئی اور نامور ہستیوں نے شرکت کی تھی اور کالا کے نواحی دیہاتوں سے بھی کثیر تعداد میں لوگ شامل ہوئے تھے۔

اس جلسہ کے انعقاد کا سبب یہ تھا کہ اکالی دل یا اکالی پنتھ (سکھوں کی ایک سیاسی جماعت) کا ایک جتھا کسی سیاسی مہم پر امرتسر سے پنجہ صاحب جا رہا تھا۔ اس جتھے کو کالا کی کانگرس پارٹی نے ایک ایک دن کالا میں قیام کرنے کی دعوت دی تھی جسے جتھہ والوں نے قبول کر لیا تھا۔ یہاں پر یہ امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ برطانوی راج میں جب کبھی شہر جہلم میں دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ ہوتا تھا تو سیاسی نوعیت کے جلسے کالا گوجراں ہی میں منعقد ہوا کرتے تھے کیونکہ کالا گوجراں شروع سے ہی اپنے گردونواح کے دیہاتوں کا مرکزی مقام چلا آتا ہے جب رات کو جلسہ کا آغاز ہو تو پولیس نے حاضرین جلسہ کو ہراساں کرنے کے لئے ہوائی فائر شروع کر دیئے۔ حکومت وقت کی اس بے جا مداخلت کارد عمل یہ ہوا کہ عوام بھڑک اٹھے۔ اور انہوں نے انتقاماً حکومت کے خلاف نعرے لگانے شروع کر دیئے اور مستورات نے مکانوں کی چھتوں سے پولیس پر پتھر برسانے شروع کر دیئے۔ جس سے کئی سپاہی لہولہان ہو گئے۔ "حسن پہاڑیئے نے ایک پتھر ایس پی صاحب کو بھی رسید کر دیا اور وہ زخمی ہو گئے اس کے بعد پولیس نے عوام پر بے حد تشدد کیا۔ اور پولیس کی لاٹھیاں حرکت میں آگئیں۔ پولیس نے آنسو گیس بھی استعمال کی اور جلسہ کا شیرازہ بکھر گیا۔ اس جلسے کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ پنجاب اور ہندوستان کے اکثر اضلاع میں حکومت کے خلاف جلسے اور جلوسوں کی ایک مہم چل پڑی۔

جب محمد علی جوہر نے خلافت کمیٹی کی بنیاد رکھی تو اہل جہلم نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ سردار محمد یعقوب' مرزا محمد ابراہیم' اسلم ڈار کے والد بابو فضل الٰہی مرحوم' مہر عبدالرحیم جوہر مرحوم' خلیل بٹ اور انور باشا کے والد اور بابو محمد افضل کے تایا احمد دین سائیں کالا گوجراں' خلافت کمیٹی جہلم کے اولیں رکن تھے۔ علامہ عنایت اللہ خاں المشرقی کی تحریک خاکسار کا جہلم میں اچھا خاصا زور تھا۔ ڈاکٹر نذر محمد مرحوم اور ان کی دختر ڈاکٹر ثریا ناہید اس تحریک کی روح رواں تھے۔ آپ کی کوششوں سے خطہ جہلم کے ہزاروں جوان خاکسار تحریک میں شامل ہو کر برطانوی حکومت کے خلاف عملی مظاہرے کرتے رہے۔ مولانا عبدالمجید ملنگ' حافظ نور محمد' راجہ محمد اکرم' داروغہ صاحب' المشرقی ہوٹل کے مالک اللہ رکھا' گل شیر خان چکوالی' پروفیسر محمد اختر حسین' عبدالحکیم بھٹی رکن بلدیہ' نذیر احمد (بے نظیر پکوڑا فروش) اسلم ڈار کے والد بابو فضل الٰہی' اللہ دتہ سالار مرحوم' شمالی محلّہ کے نظام الدین ڈار' ایڈووکیٹ کچلو چوہدری عبدالطیف پنساری' پہلوان سرور جہلمی' کرنل ایوب ریٹائرڈ ملہاں مغلاں والے جہلم میں تحریک خاکسار کے جانباز سپاہی تھے۔

کانگریس کو فروغ دینے والوں میں لالہ دھنپت رائے' دیوی داس' شام لال' ڈاکٹر مہیش چندر' میلا رام بندرابن' ڈاکٹر درباری لعل' بھائی سندرداس' تلوک چند بھمنی' مسٹر ملہوترا' گوربخش سنگھ' ہتکاری برادرز' درشن سنگھ آوارہ' بشن داس اور اوتار نارائن گوپال کے نام سرفہرست آتے ہیں۔ حزب اللہ میں زیادہ تر مذہبی لوگ اور خصوصاً حضرت پیر فضل شاہ جلالپوریؒ کے مریدین شامل تھے۔ حزب اللہ کے بانی پیر فضل شاہ جلالپوری ہی تھے۔ آپ نے اس کے بنیاد ۱۹۳۷ء میں رکھی تھی۔ اس دور میں یہاں جماعت اسلامی کا کوئی خاص زور نہیں تھا۔ اس کے ممبروں کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی تھی۔

جہلم میں ایک مدت تک مجلس احرار کا طوطی بولتا رہا۔ احرار میں اکثریت مستری' ترکھان اور ملاح خاندانوں کی تھی۔ مجلس احرار کا مرکزی مقام گنبد والی مسجد تھا۔ اور اس مسجد کے خطیب حافظ عبدالشکور احرار کے صدر اور مہر عبدالرحیم جوہر جنرل سیکرٹری تھے۔

اہل حدیث اور دیو بند عقائد کے اکثر جوان مجلس احرار کے سرگرم رکن تھے۔ حافظ عبدالغفور (خطیب مسجد اہلحدیث) اختر پینٹر' علیم پینٹر' حکیم سیدن علی شاہ (ڈومیلی) ماسٹر فضل کریم منصور مرحوم' بابو عبدالمجید' خان یار محمد خاں' سلیم مجاہد' مولوی محمد شریف جادہ والے' گنبد والی مسجد کے خطیب مولانا عبداللطیف اور نوجوان شاعر مسرت ہاشمی کے والد مجلس احرار کے مشہور مجاہد تھے۔ مجلس احرار کی امتیازی خوبی یہ تھی کہ اس جماعت کا ہر رکن بڑا اچھا مقرر تھا۔ اور یہ فیض ہندوپاک کے عظیم خطیب سید عطا اللہ شاہ بخاریؒ اور قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ کا تھا۔ یہ دونوں بزرگ جہلم میں اکثر تشریف لاتے رہتے تھے۔ اور اپنی شعلہ بیانی سے اہل جہلم کے سینوں کو گرما جاتے تھے۔

جہلم میں مسلم لیگ کے بانی راجہ غضنفر علی خاں تھے۔ آپ کا شمار قائداعظمؒ کے ساتھیوں اور پاکستان کے بانیوں اور مسلم لیگ کے مشہور لیڈروں میں ہوتا ہے۔ آپ بڑے اچھے مقرر تھے۔ اور اپنی تقریروں میں اکثر حافظ رومی اور اقبال وجامی کے شعر پڑھا کرتے تھے۔ مسلم لیگ ایک قلیل سے عرصے میں مسلمانوں کی ہر دل عزیز اور نمائندہ جماعت بن کر ابھری' جہلم کی سطح پر جن بزرگوں نے مسلم لیگ میں پورے خلوص اور جذبہ سے کام کیا ان بزرگوں میں سے چند کے نام حسب ذیل ہیں ۔ رحمت الٰہی ٹمبر مرچنٹ کے والد حکیم فضل الٰہی مرحوم' مشہور صحافی حیدریؔ' مرزا مظہر حسین صوفی غلام محی الدین' بلک اللہ دتہ' حاجی روشن دین' محمد طفیل (زیلف ہوٹل والے'

چوہدری محمد ظریف، راجہ غلام سرور، چوہدری اویس، راجہ لہراسب خاں، حافظ نور محمد، میاں احمد دین کتب فروش، مجیدی، شیخ فضل احمد، بابو امام دین، راجہ محمد اکرم، مولوی محمد صادق، نذیر احمد شریف، سیمی محمد دین زرگر، محلہ مستریاں، جلیل ڈار، کریم پاشا، بابو افضل کرم، ایڈووکیٹ بشیر احمد، چوہدری محمد الطاف ایڈووکیٹ، مسز عبدالقادر، راجہ خیر مہدی، امام دین قریشی، میاں سخی محمد خان وغیرہ

جہلم میں حصول آزادی کے لئے ہر سیاسی جماعت اپنی اپنی بساط کے مطابق سرگرم عمل رہی لیکن پایان کار مسلم لیگ سب پر چھا گئی۔ مسلم لیگ کا نصب العین قیام پاکستان تھا اور یہ قومی نظریہ کی حامل تھی۔ ۱۹۴۶ کے آخر اور ۱۹۴۷ کے شروع میں جہلم کی فضائیں مسلم لیگ کے حسب ذیل نعروں سے گونج رہی تھیں۔

تمہیں دینے پڑے گی	آزادی
ہم لے کے رہیں گے	پاکستان
پاکستان کا مطلب کیا	لاالہ الا اللہ

جہلم میں تحریک آزادی کے سلسلے میں خواتین نے بھی مردوں کے دوش بدوش پوری لگن سے کام کیا تھا۔ ان خواتین کے جہدو عمل کا دائرہ بڑا وسیع ہے میں اس موقع پر صرف ان خواتین کے نام احاطہ تحریر میں لاؤں گا جنھوں نے سیاسی اسٹیج پر خصوصی کارنامے سرانجام دیئے تھے۔ ان میں عبدالجید بیرسٹر مرحوم کی دختر اور مسز عبدالقادر، ڈاکٹر ثریا جبیں ناہید، دیب کور، خان سعید صاحب کی ہمشیرہ زبیدہ سلطانہ، طاہرہ چراغ بی، سعیدہ بانو، بیگم اختر، بیگم احسان بٹ، بیگم خواجہ، بیگم عبدالرحیم جوہر اور بڑی بی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

عوام کی مسلسل جدوجہد اور قربانیوں کا بالآخر یہ نتیجہ نکلا کہ مورخہ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء لیلتہ القدر کی سعید ساعت میں رات کے بارہ بجے سید مصطفٰی علی ہمدانی نے "یہ

ریڈیو پاکستان ہے" کا اعلان کر کے دشمنانِ پاکستان کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ اس اعلان سے دنیا کے نقشے میں ایک نئی اسلامی مملکت کا اضافہ ہو گیا۔ دشمنوں کے ہوش اُڑ گئے اور برطانوی سامراج کے مہاراج بینڈ بجاتے ہوئے انگلینڈ روانہ ہو گئے۔

گیا دورِ سرمایہ داری گیا
تماشا دکھا کر مداری گیا

انجمن اسلامیہ

۱۹ دسمبر ۱۹۳۲ کو انجمن اسلامیہ کالا کا قیام عمل میں آیا تھا۔ عوام کی خدمت کرنا، تعلیم کو فروغ دینا، بُری رسموں سے اجتناب برتنا، یتیم بچوں اور بیوہ عورتوں کی مدد کرنا، شہر کو صاف ستھرا بنانا، مذہب اسلام کی تبلیغ کرنا، اور دیگر رفاہ عامہ کے کاموں میں خلوصِ دل سے شرکت کرنا، اس قسم کی تمام اچھی باتیں جن کا تعلق معاشرہ کی اصلاح اور عوام کی فلاح سے تھا۔

انجمن اسلامیہ کے بنیادی اصولوں میں شامل تھیں۔ اس انجمن کے صدر چوہدری غلام احمد تھے۔ اور جنرل سیکرٹری ماسٹر غلام حسین کھٹانہ تھے۔ نائب صدر سردار قائم دین پنشنر سب انسپکٹر پولیس تھے۔

کپتان سردار محمد عظیم، میاں سخی محمد، سید عالم شاہ، سید محمد یوسف ٹانگہ انسپکٹر اور ٹھمی مغلاں کے مرزا اعظم بیگ سرپرست تھے۔

مولوی باغ علی، مولوی غلام اعظم صاحب گھرمالوی اور صوفی لال حسین صاحب انجمن کے مبلغ تھے۔

مجلس عاملہ میں حسب ذیل اکابرین کالا شامل تھے۔

صوبیدار محمد رمضان، ڈاکٹر امیر بخش، بابو بسم اللہ ارائیں، حاجی احمد دین بزاز،

حاجی امام دین قریشی، مہر بگا خان نمبر دار، مہر کرم داد نمبردار، مہر شہالم خان چوہدری، مرزا افضل احمد صوبیدار، منشی کرم دین اور ٹیلر ماسٹر محمد امین بھٹی

سیوا سمتی

کالا کے عوام کی فلاح و بہبود، معاشرہ کی اصلاح، رفاہ عامہ اور اہل شہر کی خدمت گزاری کے لئے اہل ہنود کی بھی ایک تنظیم بنام سیوا سمتی موجود تھی۔ سیوا سمتی اور انجمن اسلامیہ دونوں کا مشن عوام کی بھلائی کے لئے کام کرنا تھا۔ دونوں میں گہرے روابط تھے اور یہ دونوں اصلاحی جماعتیں حریفانہ کش مکش سے بہت دور تھیں اور سچی بات تو یہ ہے کہ سیوا سمتی عوام کی فلاح و بہبود کے کارناموں کے سلسلہ میں انجمن اسلامیہ پر فوقیت رکھتی تھی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ سیوا سمتی کے پاس فنڈز کی رقوم بہت زیادہ ہوتی تھیں چونکہ مسلمان مالی لحاظ سے کمزور تھے۔ اس لئے انجمن اسلامیہ کے پاس فنڈ کی رقم بہت کم ہوتی تھی۔

سیوا سمتی کے قابل ذکر ممبر حسب ذیل تھے۔

گیان سنگھ بھمنی، میلہ سنگھ، گوپال سنگھ، پیارا سنگھ، کندن لعل ٹنڈن، بین ناتھ، ایشر سنگھ گیانی، دیس راج، سنت درگاداس، چیت رام بھروائی، بابو گیان چند، کو شراج، مہہ شام داس، مہتہ مسکین چند، اور ڈاکٹر پر سرام

موہیال گزٹ

کالا سے موہیال قوم کا ایک جریدہ بنام "موہیال گزٹ" بھی شائع ہوتا تھا۔ اس کے مالک مہتہ شام داس تھے اور مدیر مہتہ مسکین چند۔

اس رسالہ میں موہیال قوم کے ماضی وحال کے کارناموں پر روشنی ڈالی جاتی

تھی۔ بڑی ہندوانہ رسوم کے خلاف بہت کچھ لکھا جاتا تھا۔ اور اصلاح معاشرہ کے لئے بڑے جاندار مقالے شائع ہوتے تھے "موہیال گزٹ کا اجراء تقریباً ۱۹۲۸ میں ہوا تھا اور یہ فخر اہل کالا کو ہی حاصل ہے کہ انہوں نے اس زمانہ میں موہیال گزٹ نکالا جب بڑے بڑے شہروں سے بھی کوئی اخبار یا رسالہ شائع نہیں ہوتا تھا۔

کالا کی نامی گرامی کبڈی ٹیم

یہ وہ کبڈی ٹیم ہے جس کے شاندار کارناموں کے چرچے لاہور سے راولپنڈی تک پھیلے ہوئے تھے۔ اس ٹیم کے کھلاڑیوں نے فن کبڈی کے مظاہرے ایسے بہادرانہ اور دلیرانہ انداز سے کئے تھے۔ کہ آج بھی عوام ان کی بہادری کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں کالا کی اس ٹیم نے پنجاب کے کئی ضلعوں کی نامور ٹیموں کو عبرت ناک شکست دی تھی۔ یہ ٹیم ۱۹۲۰ء سے ۱۹۳۸ء تک، پورے پنجاب پر چھائی رہی۔

اس ٹیم کے چند مشہور کھلاڑیوں کے نام یہ ہیں

عبدالغنی بوچڑ عرف غنی بودنہ' ماسٹر محمد عالم المعروف ٹمہ مرحوم' فضل کریم المعروف مجھو' پہلوان غلام سرور مرحوم' پہلوان صوفی نذر محمد مرحوم' صوفی عنائت حسین مرحوم' شیخ محفوظ الہٰی' مہر کرم داد مرحوم' گھی' ملک محمد صادق' عدالت خاں' کریم چوہدری محمد ظریف (کونترپلہ) پہلوان محمد بشیر المعرف منگلو' دین مرحوم اور جلیل جہلمی' لال خاں مرحوم اور فیروز خان مرحوم سرائے عالمگیر' پاکستان بننے کے بعد کبڈی کی اس ٹیم کے کچھ کھلاڑی بہت بوڑھے ہو گئے اور کچھ وفات پا گئے ان کی جگہ حسب ذیل نئے کھلاڑی اٹھے۔ میاں لنگر پوریا' شیر محمد قصاب' حسین چک براہم' راجہ مسعود احمد کشمیری کوٹلہ خان' خانہ بوکی والا' دوست محمد کونترپلہ' نیاز علی کونترپلہ' عبدالطیف ڈار' بشارت جمیل ڈار چک جمال' غلام نبی بھٹی مرحوم کالا' غلام نبی قصاب

کالا، مشتاق احمد عرف حاجی کالا، منظور الٰہی شیخ کالا، ولانت کھوکھر عرف رعشہ
۱۹۶۰ء کے بعد یہ ٹیم بھی ختم ہو گئی۔ نئی ٹیم کے نہ ہونے کے کئی اسباب ہیں اور سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ نئی نسل کبڈی کی بجائے والی بال، کرکٹ اور ہاکی کو زیادہ پسند کرتی ہے۔ فن پہلوانی میں صوفی نذر محمد مرحوم، سنت درگاداس، پہلوان محمد بشیر منگلو، اندر پال دیوان، پہلوان غلام نبی بھٹی مرحوم، پہلوان عبدالرشید ارائیں، تن ساز اور پہلوان ہمایوں بھٹی کے نام قابل ذکر ہیں

ڈرامہ پورن بھگت

گڑھی میں ہر سال پورن بھگت کا ڈرامہ سٹیج کیا جاتا تھا۔ یہ ڈرامہ کالا گوجراں کے مشہور شاعر اور مصنف مہتہ مسکین چند نے لکھا تھا۔ ڈرامے کا کچھ حصہ منظوم تھا اور کچھ نثر پر مشتمل تھا۔ مکالمہ بڑے خوبصورت اور جاندار ہوتے تھے اور کردار کے ساتھ خاص مطابقت رکھتے تھے۔ اس ڈرامہ میں عام طور پر گورکھ ناتھ کا کردار خود مہتہ مسکین ادا کیا کرتے تھے رانی اچھراں کا رول ماسٹر فیروز خان اور رانی لوناں کا رول مقبول شاہ ادا کرتے تھے۔ اور ارڑپوپ (مزاحیہ کردار) عام طور پر راجہ رام بنا کرتے تھے۔

اس ڈرامے کا پروگرام اتنا دلکش اور حسین ہوتا تھا کہ اسے دیکھنے کے لئے اہل جہلم کے علاوہ دوسرے اضلاع سے بھی لوگ بڑے ذوق و شوق سے ٹولیوں کی صورت میں آیا کرتے تھے اور ایک ہفتہ تک کالا کے گڑھی محلہ میں گہماگہمی اور رونق رہا کرتی تھی اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ زندگی صرف ہنسنے کھیلنے اور راگ رنگ میں ڈوب جانے کا نام ہے۔ اس ڈرامے کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

۴۰۰ء کے لگ بھگ سیالکوٹ پر ایک ہندوراجہ سالباہن حکومت کرتا تھا۔ اس راجہ کی دو رانیاں تھیں۔ ایک مسماۃ رانی اچھراں اور دوسری رانی لوناں۔ رانی اچھراں

کے بطن سے پورن بھگت جیسا نیک خصلت انسان پیدا ہوا تھا راجہ نے رانی لوناں سے شادی اس وقت کی تھی جب اس کی جوانی جواب دے چکی تھی۔

جوانی سے زیادہ وقت پیری جوش ہوتا ہے
بڑھکتا ہے چراغ صبح جب خاموش ہوتا ہے

راجہ لوناں پر جان چھڑکتا تھا لیکن لوناں اپنے حسن اور جوانی کے نشہ میں بدمست تھی اور راجہ کی طرف مطلقاً توجہ نہ دیتی تھی۔ اور اس کی نظر اپنے سوتیلے جوان بیٹے پر جم گئی تھی۔ اس نے پورن کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے طرح طرح کے جتن کئے اور مکروفریب سے کام لیا۔ لیکن نیک چلن پُورن نے رانی لوناں کے تمام حرص آلود منصوبے خاک میں ملا دیئے اس مکر کی آندھی نے پُورن سے انتقام لینے کے لئے یہ فریب کیا کہ پورن پر بدی کی جھوٹی تہمت لگا کر راجہ سے کہا کہ اس گستاخ پاپی نے میری عصمت لوٹ لی ہے اس کے ہاتھ پاؤں کٹوا کے اسے اندھے کنوئیں میں پھینک دو اور اس کی ماتا رانی اچھراں کو شہر بدر کر دو' ورنہ میں زہر کھا کر مرجاؤں گی۔ راجہ لوناں کے عشق میں پاگل ہو رہا تھا اس عقل کے اندھے نے رانی اچھراں کو شہر بدر کر دیا اور رانی اچھراں نے لاہور کے ایک ویران گوشے میں ایک کٹیا بنا لی۔ لاہور کا ویران گوشہ آج کل ایک پر رونق محلہ ہے' اور اسے اچھرہ کہتے ہیں۔

راجہ نے رانی اچھراں کو تو دیس نکالا دے دیا اور پورن کے ہاتھ پاؤں کٹوا کر اسے ایک اندھے کنوئیں میں ڈال دیا۔ انہی دنوں ٹلہ (ضلع جہلم) کے گورو گورکھ ناتھ ہندوستان کا دورہ کر کے ٹلے کی طرف آ رہے تھے۔ اتفاقاً گورو کے قافلہ نے اس کنوئیں کے نزدیک ڈیرے ڈال دیئے جس میں پُورن قید تھا جب پانی لینے کی غرض سے چند جوگی کنوئیں پر پہنچے اور انہیں نے کنوئیں میں پورن کو دیکھا تو اپنے گورد کے حکم سے پورن کو کنوئیں سے باہر نکال لیا۔ گورکھ ناتھ نے اپنی روحانی توجہ اور باطنی

مقناطیسی قوت سے پورن کے ہاتھ پاؤں جوڑ دیئے اور اسے اپنا چیلہ بنا لیا۔ پورن ایک عرصہ تک اپنے گورو کے ساتھ رہے آخر ایک دن گورکھ ناتھ نے اسے جوگ دے کر سیالکوٹ کی طرف بھیج دیا۔ اب پورن، پورن بھگت (چونگی ناتھ) بن چکے تھے۔

جب پورن نے چورنگی ناتھ بن کر سیالکوٹ میں اپنے ڈیرے جمالئے تو ان کے دوارے پر رات دن حاجت مندوں کا ہجوم رہنے لگا لوگ دور دور سے آتے اور دلی مرادیں پاتے پورن بھگت کی بھگتی اور اس کے فیض و اثر کے چرچے راجہ سالباہن کے دربار میں بھی ہونے لگے۔ اس وقت راجہ اندھا ہو چکا تھا اور رانی اچھراں بن باس کی میعاد گزار کر واپس راجہ کے پاس آ چکی تھی لیکن پورن کے غم میں رو رو کر اپنی آنکھیں کھو چکی تھی۔ اور رانی لوناں کو اسی کی بداعمالیوں کے سبب قدرت نے اولاد سے محروم رکھا ہوا تھا۔ اور اس کے کندن جسے بدن میں پیپ پڑ چکی تھی۔

پورن بھگت کے روحانی فیض کی شہرت سن کر ایک دن یہ تینوں بھی پورن بھگت کے چرنوں میں آ کر بیٹھ گئے اور رو رو کر اپنی مرادیں مانگنے لگے پورن کے اردگرد لوگوں کا ہجوم تھا پورن نے سارے مجمع کے سامنے لوناں سے پورن کے متعلق سوال کیا؟ تو اس نے رو رو کر جواب دیا کہ پورن جتی ستی اور نیک چلن جوان تھا اور ساری خطا مجھ پاپن کی تھی - پورن نے یہ سن کر اپنے والدین پر اپنا آپ ظاہر کر دیا اور لوناں کی خطا بخش دی پورن کی باطنی توجہ سے رانی اچھراں اور سالباہن کی آنکھوں میں نور آ گیا اور لوناں کو جسمانی بیماریوں سے چھٹکارا مل گیا۔ اور پورن کی دعا سے رانی لوناں کو پرماتما نے نو ماہ کے بعد ایک چاند سا فرزند عطا فرمایا جس کا نام راجہ رسالو رکھا گیا

جہلم قیام پاکستان کے بعد

آزادی کی صبح طلوع ہوتے ہی بھارت سے مسلمان مہاجرین کے لٹے پٹے

بھوکے پیاسے اور زخموں سے چور قافلے آنے شروع ہو گئے۔ ماسٹر تارا سنگھ اور ان کے ہم خیال سکھوں اور ہندوؤں نے مسلمان جوانوں، بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کا خون اس بے دردی سے بہایا کہ اس خونین اور دردناک نظارے کے تصور ہی سے دل کانپ اٹھتا ہے آزادی کی دیوی آنے کو تو آئی مگر کچھ اس طرح سے آئی کہ

گھر میں پرویز کے شیریں تو ہوئی جلوہ نما
لے کے آئی ہے مگر تیشہ و فرہاد بھی ساتھ

ان ظالم درندوں، اور وحشی انسانوں نے مسلمانوں کے لاکھوں گھر اجاڑ دیئے ہزاروں بے گناہ انسانوں کی زندگیاں ختم کر دیں۔ شیر خوار بچوں کو نیزوں اور برچھیوں پر اچھالا۔ معصوم بچیوں کی عصمتیں لوٹ لیں اور مسلمانوں کے گھر کو جلا کر خاکستر کر دیا گویا نانک اور رام کے نام لیوا راون کے ساتھی بن کر مسلمانوں کے جسموں کی بوٹیاں نوچ رہے تھے۔

جہلم کے مقامی باشندوں نے مہاجرین کا استقبال جس خندہ پیشانی سے کیا اور جس دلی خلوص اور جس مخلصانہ انداز سے ان کی دلجوئی اور مدد کی، مہاجرین آج بھی اس حسن سلوک کے معترف اور ممنون ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد مہاجرین کی کثیر تعداد کی شہر جہلم میں آمد اور ان کی آباد کاری اور دیگر مسائل نے جہلم کے مکینوں کو اس قدر مصروف رکھا کہ یہ جشن آزادی منانے سے بھی قاصر رہے۔ اور سچ پوچھئے تو یہ جشن آزادی مناتے بھی تو کس طرح مناتے کیونکہ میں اسے عوام کی بد نصیبی کہوں، قدرت کی ستم ظریفی یا قائدین ماضی کی بے رخی اور بے حسی کا نتیجہ کہ حصول آزادی کے لئے جن لوگوں نے سب کچھ لٹا دیا تھا، آزادی کے بعد انہیں کچھ نہ ملا۔ اور جنہوں نے حصول آزادی کے لئے کچھ نہ کیا، وہ سب کچھ لے گئے۔

نیرنگی سیاست دوراں تو دیکھئے
منزل انہیں ملی، جو شریک سفر نہ تھے

مورخہ ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ کو پاکستان کے بانی قائداعظم اس دار فانی سے چل بسے اس سانحہ عظیم سے جہلم میں بھی صف ماتم بچھ گئی۔ ۱۹۴۸ میں لیاقت علی خان کے دور میں جب بھارت نے آزاد کشمیر پر حملہ کیا تو جہلمیوں نے اس جہاد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ اسی طرح ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کی جنگوں میں بھی اہل جہلم نے محاذ جنگ پر اپنی جانوں کی بازی لگا کر پاکستان کا دفاع کیا تھا۔ ان جنگوں میں جہلم کے کئی جیالوں نے اپنی شجاعت کا مظاہرہ کر کے نشان حیدر، ہلال جرات اور تمغہ جرات کے فوجی اعزازات حاصل کئے تھے۔ اس لئے میں یہ بات فخریہ طور پر کہنے میں حق بجانب ہوں کہ تاریخ پاکستان جہلم کے جیالوں کی جواں مردیوں کا حسین و جمیل مرقع ہے میں اس وقت صرف جہلم کے چند جان فروشوں اور غازیوں کے نام احاطہ تحریر میں لاؤں گا کیونکہ جانبازوں کا سلسلہ بڑا وسیع ہے اور میرے وسائل بڑے محدود ہیں کرنل حق نواز کیانی (مونہ پنڈ)، جنرل ریاض عظیم، اعجاز عظیم، بریگیڈئر امتیاز عظیم، بریگیڈئر نیاز عظیم (جہلم) محمد اسلم وارنٹ آفیسر، صوبیدار محمد صادق، صوبیدار محمد اسلم، حوالدار محمد یوسف، حوالدار محمد اکرم، محمد اشرف، بابو نواب خاں (کالا گوجراں) میجر عاقل داد کیانی موضع سکیاں، لیفٹیننٹ محمد صابر بیگ (سلطان پورہ) میجر کاظم کیانی، جنرل محمد شریف کیانی (ڈومیلی) میجر اکرم شہید اعوان (جہلم) نشان حیدر، ایئر کموڈور رئیس کیانی، کرنل رشید کیانی اور ونگ کمانڈر غلام احمد کیانی (بدلوٹ) میجر محمد فاروق جنجوعہ (چکری) محمد اشرف کالا گوجراں، افتخار شہید کالا گوجراں اور کالا گوجراں کے پوسٹ مین محمد ایوب کا بیٹا محمد رفیق شہید، اس شہید کا شمار ان بیالیس شہیدوں میں ہے جنہوں نے سابقہ مشرقی پاکستان میں بھارت کے ۵۴۰ سپاہیوں کو ہلاک کیا تھا۔

ساڈے صرف بتالی شیراں پنج سو چالی مارے نیں

یہ مصرع اسی معرکے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ عاشق حسین، فضل کریم، غلام قادر (چک دولت)، میاں محمد یوسف میجر (کالا گوجراں)، چوہدری محمد اشرف میجر (کالا گوجراں)، میجر جیدی (کالا گوجراں) ان آفیسروں اور سپاہیوں کے علاوہ کئی اور آفیسر بمعہ ہزاروں سپاہی بھی اس فہرست میں شامل ہیں جنہوں نے محاذ جنگ پر دشمنان پاکستان کو گوجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا تھا۔ قوم ان سب شہیدوں اور زندہ دل غازیوں کی بہادری کی معترف ہے

اے شیر دل مجاہد! تم کو مرا سلام

اہل جہلم نے نہ صرف رائفلوں اور بموں ہی سے پاکستان کا دفاع کیا تھا بلکہ جہلم کے جی دار لوگ زبان اور تلوار دونوں کے دھنی ہیں۔ ادھر محاذ جنگ پر مجاہدین جہلم دشمنوں سے برسرپیکار تھے تو ادھر اندرون شہر، شاعر و ادیب ادبی محاذ پر، اپنے جنگی ترانوں سے اہل شہر اور مجاہدین کا لہو گرما رہے تھے۔ ان شاعروں اور ادیبوں کی فہرست بھی بڑی طویل ہے اگر میں ان سب کے نام احاطہ تحریر میں لاؤں تو ایک ضخیم کتاب مرتب ہو جائے البتہ اس سلسلے میں ڈاکٹر صفدر حسین مرحوم، پروفیسر حسن عسکری، پروفیسر راحل، پروفیسر یوسف حسن، پروفیسر طرب احمد صدیقی، اقبال کوثر، سید امداد ہمدانی، جوگی جہلمی، یوسف جہلمی، تنویر سپرا، طالب گورگانی، بسمل صحرائی، عزیز دہلوی آرٹسٹ، جابر آزاد، شمیم سدوزئی، عبدالغفور، مسرت ہاشمی، مختار جاوید، اسلم بیدل، اختر ضیائی، مسعود الحق، محبوب الحق، مظفر زیدی، احسان بٹ، عبدالرحمن سلیمی، فضل کریم مجاہد مرحوم اور دینہ کے عبدالقادر، راحت فرحت اور محمد حنیف خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مجاہدوں، شاعروں اور ادیبوں کے علاوہ مذہبی علماء، صحافی، پروفیسر، طلباء و طالبات

سماجی کارکن اور سیاسی راہنما بھی اپنے اس ملی فریضے کو ادا کرنے میں سرگرم عمل تھے۔ عوام کے حوصلے بلند رکھنے کے سلسلے میں سید ضمیر جعفری اور عمل کے ایڈیٹر جناب احسان بٹ' آواز کے مدیر جناب عبدالرحمان سلیم اور نسیم کے ایڈیٹر جناب اسحاق نقشبندی نے بھی قابل تعریف کردار ادا کیا تھا۔ گویا اس عرصہ کے دوران جہلم کے شیخ و شاب اور مردوزن سب کے سب کسی نہ کسی طریقے سے مجاہدین کی مدد کرنے میں مصروف تھے۔

برطانوی حکومت نے اپنے عہد میں ضلع جہلم کو بھرتی ایریا بنایا ہوا تھا۔ اس دور میں جہلم صنعت و حرفت کی برکتوں' علم و ادب کے فیوض اور سیاسی افکار کی روشنی سے یکسر محروم تھا۔ لیکن پاکستان بننے کے بعد اہالیان جہلم نے زندگی کے ہر شعبے میں نمایاں طور پر ترقی کی ہے۔ حکومت پاکستان نے یہاں پر کئی علمی ادارے قائم کئے۔ جن میں انٹرمیڈیٹ کالج اور ڈگری کالج قابل ذکر ہیں ۔ برطانوی عہد میں جہلم کے عوام کی اقتصادی اور معاشی حالت نہایت ابتر تھی۔ خصوصا محنت کش طبقہ تو زندگی کی نعمتوں سے بالکل محروم تھا۔ یا یوں سمجھئے۔

تھے تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات

لیکن ۱۹۵۴ء میں فوجی ٹیکسٹائل ملز جہلم' ۱۹۵۴ میں پاکستان ٹوبیکو کمپنی جہلم' ۱۹۵۶ء میں پرائم گلاس فیکٹری' ۱۹۵۷ میں پلائی وڈ فیکٹری (کشمیر ڈویلپمنٹ کارپوریشن) اور چپ بورڈ فیکٹری کے قیام سے محنت کش طبقے کی معاشی حالت کسی حد تک سدھر گئی۔ میں آگے چل کر کسی مقام پر ان تمام صنعتی کارخانوں کا ذرا تفصیل سے ذکر کروں گا۔

تعلیم عام ہو جانے سے اور کچھ اقتصادی حالت سدھر جانے سے یہاں کے عوام کے دل و دماغ میں انقلاب آ گیا۔ اور وہ ملکی مسائل اور سیاست میں بڑے جوش و خروش سے حصہ لینے لگے تھے۔ جہلم کے عوام کو بیدار کرنے میں سیاسی لیڈروں' مذہبی

پیشواؤں ' سماجی کارکنوں اور علم و ادب کے علمبرداروں کے علاوہ یہاں کے تین اخباروں عمل' آواز اور نسیم نے بھی بڑا کام کیا ہے۔

جہلم میں بریلوی مسلک کے سنی مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ دیوبندی مسلک کے پیروکار دوسرے نمبر پر آتے ہیں۔ دیہاتوں میں عام طور پر سُنّی مسلمان ہی بستے ہیں۔ صرف ایک قصبہ جکّر میں دیو بندی مسلک کے مسلمانوں کی اکثریت ہے اور وہاں پر ان کی دو شاندار دینی درسگاہیں بھی ہیں۔ ایک درسگاہ کے مفتی رشید ارشد صاحب بڑے جوشیلے خطیب اور بے باک قسم کے مذہبی عالم ہیں۔ تحریکِ ختم نبوت میں انہوں نے قابل تعریف کارنامہ سرانجام دیا تھا۔ تیسرے نمبر پر شیعانِ علیؑ ہیں۔ دھنیالہ' رہتاس' شیخیں اور سلطان پور شیعانِ علی کے گڑھ ہیں۔ شعیانِ علی کے راہنما آغا صاحب سردار علی جان بڑے زندہ دل اور غریب پرور انسان ہیں۔ اہل حدیث مسلک کے پیروکاروں کی جہلم میں تو اچھی خاصی تعداد ہے لیکن دیہات میں یہ اکا دکا نظر آتے ہیں۔ صرف کالا گوجراں کے قریب موضع کوٹلی وہابیاں میں ان کی اکثریت پائی جاتی ہے۔ اہل حدیثانِ جہلم نے مشینی محلّہ میں ایک بہت بڑی اسلامی یونیورسٹی بنائی ہے۔ اس یونیورسٹی کی عمارت آج کل زیرِ تعمیر ہے جہلم میں انجمن اتحاد المسلمین بھی بنی ہوئی ہے جو جہلم کے تمام مذہبی فرقوں کو اتحاد و تنظیم کی تلقین کرتی رہتی ہے۔ یہ انجمن ایک بنو نیک بنو کی سب کو ترغیب دیتی ہے۔

جہلم کا مسیحی فرقہ بڑے اطمینان سے یہاں زندگی بسر کر رہا ہے۔ ان کے دو گرجا گھر شہر میں ہیں اور ایک چھاؤنی میں' چھاؤنی کا گرجا گھر بڑا پرانا اور خوب صورت ہے مسیحی فرقہ کے نمائندے جناب ناز مسیح بلدیہ جہلم کے ممبر تھے بڑے سلجھے ہوئے اور دُور اندیش انسان ہیں۔

یہاں کے لوگ کا یہ وصف ہے کہ وہ جب بھی کسی آمر' کسی فرد یا جماعت کو

ملک و ملت کے مفاد کے منافی سمجھتے ہیں تو اس کے خلاف صف آراء ہو جاتے ہیں
مورخہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۱ لیاقت علی خان کی وفات کے بعد جب مسلم لیگی زعماء کی باہمی
چپقلش حد سے بڑھ گئی اور مسلم لیگ کئی حصوں میں تقسیم ہو کر بے عملی کا شکار ہو گئی
تو سیاسی بصیرت رکھنے والے دانشور اس کا تمسخر اڑانے لگے۔ اور یہ اہل ظرافت کے
لئے تماشا بن کر رہ گئی تو ۱۹۵۸ء میں جنرل محمد ایوب خان مرحوم نے سول حکومت کا
تختہ الٹ کر عنان اقتدار اپنے ہاتھوں میں لے لی۔ اور سارے ملک میں مارشل لاء نافذ
کر دیا۔

ایوب خان نے ۱۹۶۹ء تک بڑے دھڑلے سے حکومت کی۔ اہل جہلم نے صرف
۱۹۶۵ء کی پاک و ہند جنگ میں ایوبی حکومت کا ساتھ دیا۔ لیکن جب ایوب خان ڈکٹیٹر
بن کر عوام کے سیاسی حقوق پامال کرنے لگے۔ تو اہل جہلم ان کے خلاف ہو گئے۔ جب
ایوب خان جہلم تشریف لائے تو اہل جہلم نے فوجی حکومت کے خلاف بطور احتجاج جلسہ
گاہ تک پہنچنے والی بجلی کے تار کاٹ دیئے اور ان کی تقریر سننے سے انکار کر دیا۔ اس
وقت ایک آمر کے خلاف اس قسم کی دلیرانہ حرکت کا مظاہرہ سوائے اہل جہلم کے کسی
اور شہر کے باشندوں نے نہیں کیا تھا۔

اس کے بعد جب ایوب خان کے خلاف سیاسی تحریکیں سڑکوں پر نکل آئی تھیں
تو اس وقت اہل جہلم ایوب خان کے مخالفوں کی صف اول میں کھڑے نظر آ رہے تھے۔
اسی لئے جہلم شہر کو عام طور پر پیپلز پارٹی کا گڑھ سمجھا جاتا تھا۔ کیونکہ اس وقت پیپلز
پارٹی حکومت کے خلاف ایک خطرناک حریف بن کر میدان سیاست میں کود پڑی تھی۔

جب مسٹر بھٹو برسراقتدار آگئے تو اس وقت جہلمیوں کے سیاسی جذبات و
احساسات کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ اور ملک میں پیپلز پارٹی کے چرچے تھے۔
پیپلز پارٹی نے کسی حد تک عوام کے مسائل حل کرنے کی طرف آنکھیں بند کر لیں۔

پیپلز پارٹی کے کارکن اداروں میں دخل انداز ہونے لگے۔ حزب اختلاف کے لیڈروں کو ملک دشمن عناصر کہہ کر حکومت نے جیلوں میں ٹھونسنا شروع کر دیا اور اپنے مخالف اخبارات پر قدغن لگا دی۔ پیپلز پارٹی کے جوشیلے جوان نشہ اقدار میں بدمست ہو گئے اور ان کے دل و دماغ اور تدبر و تفکر میں ایسا تغیر آیا کہ

ہنسی سمجھی گئی گلشن میں غنچوں کی جگر چاکی

اور ان سب خرابیوں کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ جماعت کا تنظیمی ڈھانچہ کمزور پڑ گیا اور پیپلز پارٹی کا وہ وقار جاتا رہا جو اسے آغاز میں حاصل تھا۔

پھر ۱۹۷۷ء میں مسٹر بھٹو نے انتخابات کروائے تو قومی اتحاد کی تمام جماعتوں نے مسٹر بھٹو پر الیکشن میں دھاندلی کا الزام عائد کیا اور ملک میں مسٹر بھٹو کے خلاف ایک ملک گیر تحریک چلا دی۔ اس تحریک میں اہل جہلم نے بھی بڑے زور و شور سے حصہ لیا تھا۔

میں اس مقام پر قارئین کی خدمت میں یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ان سطور سے میرا مقصد کسی فرد یا جماعت کی تحقیر و تذلیل یا تعریف و توصیف مقصود نہیں۔ میں تو صرف ان حالات و واقعات کی طرف اشارہ کر رہا ہوں جن سے ساری قوم کو واسطہ پڑا تھا چونکہ سیاسی جماعتوں کا تعلق پورے ملک سے ہوتا ہے اس لئے سیاسی جماعتوں کے اچھے برے کردار کا مفصل جائزہ لینا اس مورخ کا کام ہے جو مستقبل میں تاریخ پاکستان مرتب کرے گا۔ میرا دائرہ کار صرف جہلم تک محدود ہے۔ اور میں نہایت دیانتداری سے حالات و واقعات کی روشنی میں یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ اہل جہلم کی سیاست میں بڑی لچک ہے اور ان کی سیاست ملکی اور قومی تقاضوں کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہے اور یہ سیاسی شعور کے ارتقاء پذیر ہونے کی دلیل ہے اہل جہلم کسی کی مخالفت یا حمائت کسی لالچ یا خوف کے باعث نہیں کرتے وہ

ہر دور میں ملک و ملت کے مفاد کو پیش نظر رکھتے ہیں

۱۹۷۷ء میں مسٹر بھٹو کے خلاف عوامی یا قومی اتحاد کی تحریک چلی تھی۔ اس تحریک نے آہستہ آہستہ ایک سیلاب کی صورت اختیار کر لی تھی اور بڑھتے ہوئے سیلاب کو موزوں ساز و سامان، اجتماعی قوت اور مخصوص حکمت عملی کے بغیر روکنا اپنی ہستی کو فنا کر دینے کے مترادف ہوتا ہے بالا آخر یہ سیلاب مسٹر بھٹو اور ان کی پارٹی کو بہا کر ماضی کے جزیرے میں لے گیا اور پانچ جولائی ۱۹۷۷ء کو جناب جنرل ضیاء الحق صاحب نے ملک میں مارشل لاء نافذ کر کے اقتدار کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لے لی۔

جب جہلم کی بابت بیان کرنا مقصود ہی ٹھہرا تو مجھے یہ لکھنا پڑتا ہے کہ پہلے مارشل لاء میں جہاں بے شمار خوبیاں تھی وہاں سیاسی نقصان یہ ہوا کہ مسلم لیگ کے دو حصے ہو گئے کونسل اور کنونشن، جب رسی کٹ جائے تو دھاگے الگ الگ ہو جاتے ہیں کچھ ایسا ہی مسلم لیگ کے ساتھ ہوا کئی گروپ بن گئے جو آگے جا کر مسلم لیگ ہی نہیں بلکہ ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا جواز بنے۔ جنرل ضیاء الحق مرحوم کے مارشل لاء میں بے شمار خوبیوں کے ساتھ ساتھ سیاست دانوں کا قتل، عوام کو قلم کی بجائے کلاشن کوف دی۔ آخر ان کے جانشین جناب محمد اسحاق صاحب کرسی صدارت پر رونق افروز ہوئے جمہوریت کی طرف قدم اٹھا۔ پھر ایک بار ملک میں مرحوم ذوالفقار علی بھٹو کی جانشین بے نظیر بھٹو اقتدار میں آگئیں لیکن جمہوریت تو کتابوں میں ٹھیک ہے ملک میں کہاں رہ سکتی ہے۔ جنرل ضیاء الحق مرحوم کے اضافی ترمیم شق نمبر۸ کے مطابق ان کو اٹھا کر جناب نواز شریف کے ہاتھ قلم دان آگیا۔ ایک بار پھر مسلم لیگ اور پی پی پی کے درمیان گھمسان ہوا۔ جیسا کہ ہر پارٹی میں ہوتا آیا ہے کئی قسم کے لوگ پارٹی میں شامل ہوتے ہیں۔

نواز شریف کے زمانے میں جہاں بہت سے تعمیری کام کا اجراء ہوا وہاں بنک اور بنکاری کے ادارے دیوالیہ ہو گئے جس میں ہزاروں افراد اپنی زندگی بھر کی پونجی سے ہاتھ دھو بیٹھے آج کل پھر محترمہ بے نظیر بھٹو کے ہاتھ میں قلم دان ہے دیکھیں آگے کیا ہوتا ہے میرا اصل میں سیاست سے اس وقت واسطہ نہیں بلکہ میں صرف جہلم کے متعلق لکھنا چاہتا ہوں ہاں یہ ضرور عرض کروں گا۔ کہ جناب نواز شریف خود جہلم گئے، لوگوں کے حالات معلوم کئے اور ان کی مدد فرمائی۔ بے نظیر بھٹو صاحبہ بھی جہلم کی تعمیر میں دلچسپی رکھتی ہیں آنے والے وقت کے مصنف یا پاکستان کی سیاست پر لکھنے والے حضرات اس پر مزید روشنی ڈالیں گے۔ آیئے اب آگے چلتے ہیں

قلعہ روہتاس کا ایک منفرد منظر

ماضی کا دوسرا رخ

قبائلی نو آباد کاری، خاندان، قبیلے اور ذاتیں

قارئین! تاریخی مقامات کی سیر کر چکے ہیں اور آثار قدیمہ کے کھنڈروں میں بھی گھوم پھر آئے ہیں۔ یہ زمانہ ماضی کا ایک رخ تھا۔ آیئے اب دوسرے رخ کی بھی ایک جھلک دیکھتے ہیں۔

سکندر کے حملے سے لے کر مسلمانوں کی پاک و ہند میں آمد تک جہلم کے تاریخی حالات و واقعات کے متعلق مورخین کو کچھ بھی یقین کے ساتھ معلوم نہیں ہے۔ جنرل کننگھم صاحب کی قدیم سروے رپورٹ کے مطابق "پٹالی پترا" کا بادشاہ "کتھائی" اور بیکٹر بن بوتائی، ضلع جہلم کے قبائل پر متواتر غیر معین مدت تک غلبہ جاری رکھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ لیکن ۱۲۶ء برس قبل مسیح ایک اہم واقعہ رونما ہوا تھا۔ جس نے کچھ مستقل نتائج مرتب کئے تھے۔

"سویا ابار" سے تعلق رکھنے والے تین خاندانوں ڈاہا، ساسی اور میسجیت نے اپنے ہمسایوں کے تشدد سے تنگ آ کر سوگڈیانا میں اپنے گھروں کو خیرباد کہہ کر ہندو پاک کی طرف آنا شروع کیا، ساسی اور مسجیت خاندانوں کی اکثریت راہ میں رک گئی اور خاندان ڈاہا کی اکثریت دریائے سندھ کی دوسری جانب چلی گئی، اس ڈاہا خاندان کی دو بڑی شاخیں میڈی اور ایتائی تھیں۔ جنہیں جنرل کننگھم ٹیویا کہتا ہے اور اسے جاٹ قوم سے منسوب کرتا ہے۔ سندھ کی طرف ان کی ہجرت زیادہ ترگندھارا اور بولان کے راستوں سے ہوئی لیکن کچھ خاندانوں نے بالائی راستے اختیار کئے اور ان کی اکثریت بہت جلد سندھ میں ہر طرف پھیل گئی۔ تقریباً چالیس برس قبل مسیح تک ان کی نقل مکانی کی خبر روم پہنچ گئی۔ اسی لئے مسٹر ورجل ہائڈا سپیز کو میڈر کا دریا کہتا ہے۔

حالانکہ ہائڈا سپیز یونانی زبان میں دریائے جہلم کا نام ہے۔

اس نقل مکانی سے تقریبا پچاس سال بعد "یوچی" خاندان نے بھی جنوب کی طرف ہجرت کرنا شروع کر دیا۔ یوچی خاندان کے افراد (سی تھین گروہ جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے سویاابار سے ہجرت کر کے آئے تھے) کے قرابت دار تھے۔ یہ خاندان جلد ہی دو گروہوں میں منقسم ہو گیا۔ بڑا یوچی گروہ کابل اور اس کے مضافات میں آباد ہو گیا۔ اور چھوٹا یواچی خاندان پشاور میں سکونت پذیر ہوا اور پھر وہاں سے آہستہ آہستہ پنجاب میں پھیل گیا اس میں بڑی شخصیت بادشاہ "کنشکا" کی ہے۔ جو تقریبا پچاس برس قبل مسیح پورے عروج پر رہا۔ اس نے بدھ مت قبول کر لیا اور اس کا ایک موثر مبلغ ثابت ہوا۔ اس کی وفات کے بعد تیسری صدی عیسوی تک اس کی سلطنت متحد رہی اور اس کے بعد زوال پذیر ہو گئی۔ پھر آگے ضلع کی اس ریاست کا محمود غزنوی کی آمد تک کچھ پتہ نہیں چلتا۔ "جنرل کننگھم" آج کے دور کے گجروں کو اس چھوٹے یواچی خاندان کی اولاد تصور کرتا ہے۔

مورخین کے قول کے مطابق "راجہ مل" جوکہ پانڈو خاندان کا خلف تھا۔ شہر متھرا (بھارت) یا اس کے قرب و جوار سے ہجرت کر کے کوہستان نمک ضلع جہلم میں راج گڑھ (قلعہ ملوٹ) کی بنیاد رکھ کر اس مین سکونت پذیر ہو گیا تھا۔ اس کے پس ماندگان میں پانچ بیٹے تھے۔ ان میں سے تین راولپنڈی اور ہزارہ میں آباد ہو گئے۔ اور دو وَیر اور جَودھ جہلم میں رہے۔ انہوں نے بڑی سرعت سے اپنے مقبوضات ' املاک اور اپنے ماتحت مکینوں کو تقسیم کر لیا۔ ویر مغربی اور جودھ کو مشرقی حصہ ملا۔ چواسیدن شاہ ان کے درمیان حد فاصل تھی۔ دیر کے اخلاف میں ملوٹ اور کاہن (کہون) کے علاقے کے جنجوعے پیش کئے جاتے ہیں۔ ان کا گڑھ دلوال ہے۔

جودھ کی اولاد کئی سلسلوں میں تقسیم ہو چکی ہے۔ جھنگر میں مکھیانہ کے سلطانوں

کو ایک لمبے عرصے تک عام برتری حاصل رہی۔ لیکن کسک یا کساک اور باغاں والے جلد ہی عملی طور پر خود مختار ہو گئے۔ دلور' کرنگلی اور گرجاکھ والوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ داراپور اور چکری کا میدانی علاقہ دوسروں سے پہلے ہی علیحدہ ہو گیا تھا۔ علیحدگی کی یہ شدید خواہش کسی بھی طاقت کے لئے مہلک ہو سکتی ہے۔ اس علیحدگی نے جن فسادات کو جنم دیا وہ گکھڑوں کی ایک نہ ختم ہونے والی جنگ ثابت ہوئے اور پہاڑوں کی دوسری جانب نئے جفاکش علاقے کے قیام نے جنجوؤں کے غلبہ کو ختم کر دیا' ملک دھنی' تلہ گنگ اور ونہار کے قلعہ جات مغل فرمانروا ظہیرالدین بابر کے عہد کے بعد زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکے لیکن درمیان میں مشرقی سلسلہ کوہستان نمک میں اور داراپور کے اردگرد سکھوں کے حملے سے قبل تک جنجوعہ کا غلبہ بلا مناقشت قائم رہا۔ کھیوڑہ اور مکراچ کے مقام پر نمک کی کانوں نے اس علاقہ کو اہم بنا دیا تھا۔ سکھوں نے سارے ملک کو تھوڑا تھوڑا کر کے فتح کر لیا تھا۔ سکھوں کے راجہ رنجیت سنگھ نے بذات خود کسک اور لکھیانہ کا محاصرہ کر کے انہیں فتح کر لیا تھا۔ بالآخر سرداروں میں سے اکثر نے جاگیریں حاصل کر لی تھیں۔ لیکن ان کو پرانی املاک سے نکال دیا گیا تھا۔

جنجوعوں کے پاس ۱۸۸۰ء تک کئی گاؤں مرکز میں مثلاً مشرقی سلسلہ کوہستان نمک اور جہلم تحصیل کے جنوب مغرب میں داراپور کے گرد میدانی علاقے تھے' اور ان علاقوں میں شاید اب بھی جنجوعوں کے ایک یا دو غیر ملحق قصبے ہیں۔ مثلاً چکوال میں دھرابی اور تلہ گنگ میں کوٹ سارنگ ۔۔

مقبول حسین بھٹی بچپن کے دوست چوہدری محمد الیاس کے ساتھ نوعمری کی ایک یادگار تصویر

گجر

گجروں کی ابتداء کے بارے میں پورے وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا جنرل کننگھم آثار قدیمہ کی رپورٹ جلد نمبر۲، صفحہ۶۱ تا ۸۲ میں اس خیال کا اظہار کرتے ہیں کہ گوجر یوچی سیتھیاں YUECHI SEYTHUANS کی اولاد ہیں۔ جنہوں نے پیدائش مسیح سے پہلے اور بعد کی صدیوں میں شمالی ہندوستان پر یلغار کی تھی۔ بعض مورخین کی رائے ہے کہ گجر سورج بنسی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ ابتداء میں سورج کی پرستش کیا کرتے تھے۔ اس لئے انہیں مَہریا مِہرابی کہتے ہیں مسٹر ایبٹ سن اپنی رپورٹ پیرا نمبر۴۸۱ میں لکھتا ہے کہ گجروں کے نسلی آغاز کے متعلق جو نظریہ عام طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ وہ میرے نزدیک گجروں کے چہرے مہرے کی ساخت کے اعتبار سے ناقابل اعتبار ہے۔ وہ کہتا ہے کہ کوہستان نمک کے سارے علاقے اور شاید مشرقی پہاڑوں کے نیچے بھی گجر' ان کے تمام قبائل سے قدیمی ہیں جو قبائل وہاں اس وقت آباد ہیں۔ اس سے زیادہ وثوق کے ساتھ کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا لیکن یہ اضافہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ (گجر) خواہ کہیں سے بھی ہجرت کر کے آئے ہوں ضلع جہلم کے سب سے پہلے آباد کار ضلع گجرات کے باشندوں کی ایک شاخ سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ کہ ہجرت کر کے گجرات آنے سے قبل ان کے اجداد پنجاب کے جنوب مشرقی علاقہ راجپوتانہ میں آباد تھے۔ تاریخ ضلع جہلم کے مصنف اعظم بیگ لکھتے ہیں کہ گجر لوگ راجپوتانہ (بھارت) سے نقل مکانی کر کے پہلے گوجرانوالہ آئے اور پھر گجرات اور گجرات سے دریا عبور کر کے ضلع جہلم میں پھیل گئے تھے۔

ضلع جہلم میں آنے والے گجر قافلوں کا سردار سلمان پسوال تھا۔ گجروں نے حیران کن حد تک اپنی امتیازی بولی قائم رکھی ہوئی ہے۔ جو بظاہر ہندی زبان سے نکلی ہوئی دیسی بھاشا اور آغاز کے اعتبار سے جنوبی علاقے (راجپوتانہ) کی نشاندہی کرتی ہے۔

جہاں تک ان کے اس دعوے کا تعلق ہے کہ وہ اس ضلع جہلم کے قدیمی باشندے ہیں۔ یہ امر باعث دلچسپی ہے کہ بہت سے غالب قبیلے خصوصا دھنی علاقہ کے مکین یہ کہتے ہیں کہ جب ان کے آباد اجداد یہاں آباد ہوئے تھے تو انہوں نے اس علاقے میں سیلانی چرواہوں کی بھرمار دیکھی تھی۔ گجر عام طور پر یہ کہتے ہیں کہ وہ نسلاً ہندوستان کے راجپوت ہیں اور آج سے کئی صدیاں پیشتر ان کے اجدد گجرات کو اپنے مویشیوں کے چارہ کے لئے ایک موزوں مقام دیکھ کر گجرات میں آباد ہو گئے تھے۔ ان میں سے کچھ اپنے آپ کو راجہ جے پال اور انند پال کی اولاد بتاتے ہیں جنہوں نے محمود غزنوی کا "نندنہ" کے مقام پر مقابلہ کیا تھا۔ اور جو غالبا جنجوعہ سردار تھے۔ گجرات اور جہلم کے اکثر گجر یہ دعوی کرتے ہیں کہ وہ اصلی جنجوعہ ہیں۔

جہلم کے رہنے والے شیخ نتھا نسب نامہ کے حساب سے سولہ پشتیں پہلے سے اپنا موروثی تعلق ایک ایسے شخص سے جتاتے ہیں جو کھیانہ خاندان کا ایک فرد تھا اور اپنے کسی رشتہ دار کو قتل کر کے گھر سے بھاگ گیا اور فقیری اختیار کرلی۔ اور رہبانیت کے عالم میں ہی فوت ہوا۔ شیخ نتھا اپنے راجپوت ہونے پر بڑا اصرار کرتے تھے۔ لیکن شاید دوسرے گجروں کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ بھی راجپوت ہیں۔ آئین اکبری میں ابو الفضل راجپوت قبیلوں کا ذکر کرتے ہوئے ان میں کچھ راجہ گجروں کا بھی تذکرہ کرتے ہیں۔ اور گجروں کی بعض شاخیں (گوتیں) انہی ناموں سے موسوم ہیں جو راجپوتوں کے تھے۔ اور گجروں کے طور پر گوڑی اور چیچی وغیرہ ہمارے ایک گجر دوست راجہ احمد خان سابقہ چیئرمین یونین کونسل جادہ جہلم بھی ہیں۔ اپنے آپ کو راجہ کہلواتے ہیں تاریخ گجراں کے فاضل مصنف چوہدری محمد حسین مولوی عبدالمالک، شیخ جمال اور حافظ عبدالحق سیالکوٹی اپنی اپنی تصنیفات میں دلائل دے کر یہ ثابت کر چکے ہیں کہ گجر قوم حضرت اسحاقؑ کی اولاد سے ہے۔ اس اجمال کی تفصیل کچھ اس طرح

ہے۔

حضرت اسحاقؑ کی دسویں پشت میں "امران" نام کے ایک بزرگ ملک شام سے ہجرت کر کے یونان چلے آئے تھے یہاں ان کی اولاد سے "ارغوس" نامی ایک شخص بڑے اثر و رسوخ کا مالک ہوا ہے۔ اس کی بیسویں نسل میں سکندر اعظم پیدا ہوا اور سکندر اعظم کی اولاد سے چھ شہزادے ہندوستان آئے جنہوں نے ملک گجرات کاٹھیا وار کی بنیاد رکھی۔

گجر لفظ کی وجہ تسمیہ

یہ شہزادے گرز چلانے میں بڑے ماہر تھے۔ اس لئے پہلے پہل گرزی کے نام سے موسوم ہوئے۔ آہستہ آہستہ گرزی کا لفظ گرجی میں تبدیل ہو اور گرجی سے پھر گجر مشہور ہو گیا۔ گجر قوم کی جوں جوں سکونت اور وطنیت بدلتی گئی ان کے ساتھ ساتھ ان کا مذہبی عقیدہ بھی تبدیل ہوتا رہا۔ ملک شام میں یہ حضرت اسحاقؑ کے مذہب کے پیروکار تھے۔ یونان میں آکر عیسائی مذہب اختیار کر لیا' اور جب ہندوستان آئے تو ہندو قوم سے رشتے ناطے کرنے کے' سبب ہندو بن گئے۔ مسلمانوں کی ہندوپاک میں آمد کے وقت ان کے بیشتر قبائل صوفیائے کرام کی تبلیغی کوششوں سے مسلمان ہو گئے۔ اور ان کے بعض قبیلے جنوبی ہند سے ہجرت کر کے پنجاب کے اضلاع گوجرانوالہ ' پنج گرائیں 'گوجر پور' گھمّی گوجراں گجر خان اور پنڈی گجراں میں آباد ہو گئے۔

لفظ گوجر کے متعلق بنایا جاتا ہے کہ یہ گاؤچر یا مویشی چرانے کے مفہوم کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کا استنباط ممکن ہے صحیح ہو کیونکہ یہ بات مشہور رہے کہ گجر ابتداء مویشی چرانے والے تھے نہ کہ کاشتکار۔ اور آج بھی کئی پشتوں سے کاشتکاری کرنے کے باوجود وہ اپنے سابقہ پیشے کے نشانات قائم رکھتے ہیں دودھ دینے والے جانور گائے اور

بھینس رکھتے ہیں اور ان کی عورتیں کسی دودھ دینے والے جانور کے مرنے پر اپنے چہرے کو ڈھانپ کر اسی طرح بین کرتی ہیں جس طرح کہ دوسرے موقع پر گھر کے کسی فرد کی موت پر ماتم کیا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ بیان جنرل کننگھم کی قیاس آرائی کا نتیجہ ہو کیونکہ کتاب "شاہان گوجر" اور "گونج" کے مصنفین نے بڑے ٹھوس دلائل دے کر جنرل کننگھم کے مذکورہ بالا بیان کی تردید کی ہے۔

اس قوم کی ایک سو ایک گوت بیان کی جاتی ہیں۔ لیکن اس ضلع میں حسب ذیل گوتیں مشہور ہیں۔

کھٹانہ، چیچی، کالاس (کالس) پسوال، چوہان، ڈھڈر، بجاڑ، سپہر، برکر، چھابری پورا، امرانہ، بوکن، پاندہ، برکت، ہانڈووانہ، گورسی، بجہ رانہ، ھکلہ، پھندی بابر وال اور گانہ۔

ریاست سوات بنیر کے حضرات اخوند رحمتہ اللہ علیہ، پشاور کے حضرت پنجو رحمتہ اللہ علیہ اور سیف الملوک کے مصنف حضرت میاں محمدؒ بخش رحمتہ اللہ علیہ تینوں بزرگ گجر قوم کے روحانی پیشوا تھے اور بڑے صاحب کرامت تھے۔ قلعہ رہتاس کے نزدیک حضرت پیر شاہ و سنن اور گجر پور کالا ریلوے اسٹیشن کے قریب بگاشیرؒ بھی گجر قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ پاک فوج کے ڈپٹی چیف آف دی سٹاف اور سابق گورنر پنجاب جنرل سوار خان بھی اسی قوم کے ایک مرد جلیل ہیں۔ میرے گاؤں کالا گوجراں کے چوہدری محمد الیاس، بھی گجر قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔

جاٹ

تاریخ رہتاس کے مصنف مکراج لکھتے ہیں کہ راجہ مل کا ایک لڑکا جودھا نامی جموں پر حکومت کرتا تھا۔ ایک دفعہ جودھا ریاست جموں سے پوٹھوہار آیا اور ایک گجر

عورت مسماة "صادقاں" پر عاشق ہو گیا اور اس کے عشق میں مبتلا ہو کر مسلمان ہو گیا اور اس نے صادقان سے شادی کر لی۔ چنانچہ مسلمان جاٹ اسی جودھا کی اولاد ہیں بعض مورخین جاٹوں کو زابلستان کی قدیم قوم بتاتے ہیں۔ اور بعض انہیں یوچی کی اولاد گردانتے ہیں اور سراج التواریخ کے مصنف ناطَق صاحب لکھتے ہیں قدیم زمانے میں جٹ قوم کا رئیس اعظم بھرت پور کا فرماں روا ہوا ہے ار یہ یاَدَو بنسی قوم سے تھا جاٹ ابتداء میں ہرات (خراسان) میں رہتے تھے۔ شاہانِ گوجر کے مصنف مولوی عبدالمالک صاحب لکھتے ہیں کہ اہل عرب جٹ کو "زط" کہتے ہیں اور "زط" حضرت عمرؓ کی فوج میں شامل تھے۔ اور انہوں نے "سوس" کی فتح کے بعد اسلام قبول کر لیا تھا۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ سندھ کے جاٹ اور گجر ابوموسی اشعریؓ نے ۲۰ ھ میں سوس شہر کا محاصرہ کیا تو ایران کے بادشاہ یزدگرد نے ایران فوجوں کے سالار کو حکم دیا کہ وہ ایران کے جنگجو اور جانباز دستوں کی مدد سے حضرت ابو موسیؓ اشعری کا محاصرہ توڑ دے لیکن ایرانی رسالے یہ محاصرہ توڑنے میں ناکام رہے۔ اور انہیں شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس معرکہ میں اسلامی لشکر نے ہزاروں ایرانیوں کو گرفتار کر لیا تھا اور ان گرفتار شدگان میں سندھ کے جاٹ بھی تھے۔ جنہوں نے بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان جٹوں کو عرب "زط" کہا کرتے تھے۔

جموال

جموال گوت کے جٹ اپنے آپ کو سورج بنسی خاندان سے منسلک کرتے ہیں۔ اور راجہ رام چندر جی کے بیٹے "کُش" کو اپنا جدِامجد بتاتے ہیں اور کچھ جموال اپنا شجرہ نسب "برہماجی" سے شروع کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم "برہماجی کے جٹوں زلفوں سے پیدا ہوئے ہیں۔ وڑائچ گوت کے جاٹ اپنے آپ کو یوچی کی اولاد بتاتے ہیں۔

گوندل جاٹ

سکندر اعظم نے دریائے جہلم کے کنارے شہر جہلم آباد کر کے اس شہر میں چند یونانی بہادروں کو سکونت اختیار کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس لئے بعض مورخین کا خیال ہے کہ جہلم اور گجرات کے گوندل انہی یونانی بہادروں کی اولاد ہیں۔

بعض مورخین لکھتے ہیں کہ راجہ رام چندر جی کے بیٹے کُش کی اولاد سے لوچن نامی ایک مشہور راجہ ہو گزرا ہے اس کے چھوٹے بھائی کا نام جامولوچن تھا۔ اسی جامو لوچن نے جموں شہر کی بنیاد رکھی تھی اور اسی راجہ کی نسل جموال کہلائی۔

سراج التواریخ کے فاضل مصنف ناطق کی تحقیق کے مطابق جاٹ' تاتاری (سیتھین) قوم کے افراد ہیں۔ ان کا قدیم وطن کاکیشیا پہاڑ (کوہ قاف) سے پرے کا میدانی علاقہ تھا۔ یہ قوم یونان اور ایشیا کی قوموں کو روندتی اور پامال کرتی ہوئی سندھ پہنچی اور پھر اس نے کشمیر' پنجاب اور کابل بھی فتح کر لئے۔ سیتھین قوم جب چینی تُرکستان میں پہنچی تھی تو اس نے اس جگہ کا نام منگولیا رکھ دیا تھا۔ اس قوم کے ایک قبیلے کا نام یواچی تھا اس سیتھین قوم کو بعض مورخ یا جوج ماجوج بھی کہتے ہیں یہ قوم تقریباً سات سو برس قبل مسیح' مخالف قوموں کو روندتی ہوئی پنجاب تک آ گئی تھی۔

تاریخ گجرات کے فاضل مصنف شیخ کرامت اللہ ڈاکٹر ہنٹر کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سیتھین قوم کی ایک شاخ میساجٹ کے کچھ افراد ۶۲۵ قبل مسیح ایشیا کو تاخت و تاراج کرتے ہوئے دریائے پاٹلہ کے کنارے (جہاں آج کل حیدر آباد شہر ہے) پہنچ گئے۔ اور جاٹ کہلانے لگے۔

تاریخ الہند کے مصنف کے مطابق حضرت نوحؑ کے بیٹے حام کے ایک فرزند کا نام "کساؤجی" تھا۔ اور "کساؤجی" کے ایک لڑکے کا نام "جاٹ" تھا۔ ممکن ہے کہ

"جاٹ" اسی نسل سے ہوں۔ جہلم میں جاٹوں کی اکثریت ہے یہ بڑے محنتی، جفاکش، بہادر اور منچلے ہیں۔ جاٹوں کے مشہور گوتیں حسب ذیل ہیں۔

چائلہ آوان، کوئلہ آوان، گوندل، کھوکھر، طور، چوہان، جمرغال، بنگیال، کنسوال، پکھرال، جڑل، بدر، منہاس پکھرال، جموال اور وڑائچ

راجپوت

راجپوت ہندوستان کے راجوں اور مہاراجوں کی اولاد ہونے کا دعوی کرتے ہیں راجپورت بڑے بہادر، منچلے، محب وطن، غیرت مند، فیاض، تلوار کے دھنی زبان کے سچے، دھرم کے پکے اور اپنی رعایا کے ہمدرد و غمگسار تھے۔

راجپوت خواتین بھی بڑی بہادر حیادار، غیرت مند اور اور پاکیزہ کردار کی مالک تھیں۔ غیرت مند ہونے کے ساتھ ساتھ وہ انتہا درجے کی وفا شعار بھی تھیں۔ اپنے اپنے شوہروں کی اموات پر خود بھی چتا میں جل کر راکھ ہو جاتی تھیں راجپوت اگرچہ ان گنت اچھی صفات کے حامل تھے۔ لیکن ان اوصاف حمیدہ کے ساتھ ساتھ وہ مغرور اور متکبر بھی تھے۔ اور آپس میں ہمیشہ لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ اسی نفاق اور باہمی چپقلش کے سبب وہ برصغیر ہندوپاک میں ایک وسیع مضبوط مرکزی حکومت قائم نہ کر سکے۔ اور بیرونی حملہ آور انہیں اپنی اپنی راجدھانیوں میں شکست دے کر ہلاک کرتے رہے۔

راجپوت سورج بنسی اور چندر بنسی خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں لیکن راجپوتوں میں وہ اقوام بھی موجود ہیں جو اپنے آپ کو اگنی کل راجپوت کہتی ہیں اگنی کل کا قصہ راجپوتوں کی تاریخوں میں یوں آتا ہے کہ جب پرس رام نے کھشتریوں کو تباہ و برباد کر دیا تو برہمنوں کی حفاظت کرنے والا کوئی نہ رہا۔ اس لئے ابو پہاڑ کے رشیوں نے ایک بہت بڑا "ہون کنڈ" تیار کیا اور اسے دریائے گنگا کے پاس اور پوتر پانی سے دھو

کر اس میں آگ جلائی اور دیوتاؤں سے مدد لینے کے لئے کچھ منتر پڑھے تو ان منتروں کی برکت سے ہون کنڈ سے چار بہادر سورمے نکلے جنہوں نے ملک کے چاروں طرف پھیل کر راکھشوں کو ہلاک کر ڈالا۔ انہی چار سور ماؤں کی اولاد سے راجپوتوں کے چار خاندانوں نے جنم لیا۔ جو اگنی کل کہلاتے ہیں۔

اگنی کل کا واقعہ ایک افسانہ معلوم ہوتا ہے اصل حقیقت یہ ہے کہ راجہ اشوک کی مذہبی سرگرمیوں سے بدھ مذہب پورے ہندوستان میں چھا گیا تھا اور برہمنی وقار خاک میں مل گیا تھا اس لئے برہمنوں نے بودھوں کو ختم کرنے کے لئے خدا پرست رشی اینگا سے درخواست کی۔

"رشی اینگا" مہاراجہ اگنی کی اولاد سے تھے۔ انہوں نے ریاست اگردو ہے (جیسے کہنہ کھیڑا بھی کہتے ہیں) کے راجہ پریم کنوار جو راجہ اگرسین کے بیٹے "بلند" کی اولاد سے تھے اور اندر دت کا پوتا تھے۔ اپنے پاس بلایا اور پھر ازل کمار چوہان، ممی پتی سولنکھی اور کرشن پال پرہار راجاؤں کو بھی اپنے پاس بلا کر چاروں سے کہا کہ تم چاروں اپنی فوجوں کو اکٹھا کر کے بودھوں کی مختلف ریاستوں پر حملے شروع کر دو بھگوان تمہیں فتح دے گا۔ چنانچہ ان چاروں نے بودھوں کے ساتھ بڑی خونریز جنگیں لڑیں۔ جس کے نتیجہ میں بودھوں کو ہر مقام پر شکست کا مونہہ دیکھنا پڑا۔ برہمن راجاؤں کی حکومتیں پنجاب، سندھ، کشمیر، قنوج، دہلی، مالوہ، گجرات کاٹھیا واڑ اور اجمیر میں قائم ہو گئیں گیارہویں اور بارہویں صدی عیسوی میں ان ریاستوں پر یہی برہمی راجے راج کر رہے تھے جن چاروں راجاؤں پریم کنوار، ازل کمار چوہان، ممی پتی، سولنکھی اور کرشن پال پوہار نے بودھوں کو ختم کیا تھا۔ انہی چار راجاؤں کی اولاد اگنی کل "راجپوت" کہلانے لگی۔

راجپوتوں کی مشہور اقسام یہ ہیں۔ چوہان، بھٹی، سیال، گوندل، گٹو، گھسیا، ٹواز،

کھرل، رانجھا، راوت، پال، پنوار، رہنگڑ، چوہڑ، بھکرال، سلہریا، جوڑا، چیمہ، کھوٹ، مائر، سنگیال، جنجوعہ، منہاس راٹھور، کھوکھر اور جموال جسوال، سنگیال وغیرہ۔

چوہان راجپوت

بڑا مشہور اور بہادر خاندان ہے۔ ہندوپاک کے اکثر اضلاع اور دیہات میں چوہان پائے جاتے ہیں۔ ضلع جہلم میں بھی ان کی اچھی خاصی تعداد ہے چوہانوں میں اجمیر کا راجہ پرتھوی راج چوہان بڑا نامی گرامی اور بہادر راجہ گزرا ہے اسے شہاب الدین غوری نے اپنے آخری معرکہ میں زندہ گرفتار کر لیا تھا۔ اس خاندان کے اولین راجاؤں کے نام یہ ہیں

چوہان، سنت دیو، مہادیو، اور موہست

جموال

جموال خاندان سورج بنسی راجہ رام چندر جی کے بیٹے کشن کی اولاد ہے اس خاندان میں لوچن نامی ایک مشہور راجہ گزرا ہے اس کے چھوٹے بھائی کا نام جامولوچن تھا۔ اسی جامولوچن نے جموں شہر کی بنیاد رکھی تھی۔ اس راجہ کی نسل جموال کہلاتی ہے۔

منہاس

یہ قوم سورج بنسی جموال راجگان جموں و کشمیر کی ایک شاخ ہے جموال خاندان کا مورث اعلیٰ بابا شردھانامی راجہ، اجودھیا سے نقل مکانی کر کے پنجاب میں آیا تھا۔ اس کی چودھویں پشت میں پرکاش نامی کھشتری جموں میں راج کرتا رہا اس کی نسل میں نوے پشتوں کے بعد راجہ جگدیو بڑا نامی راجہ ہو گزرا ہے اس کے دو لڑکے تھے بڑا لڑکا برج دیو تھا جو جموں کا حاکم بنا اور چھوٹے رام دیو نے کاشت کاری شروع کر دی۔ چونکہ

راجپوت قوم کاشت کاری کو ایک طویل عرصہ سے معیوب پیشہ قرار دے چکی تھی اس لئے رام دیو سے شاہی خاندان جموال نے قطع تعلق کر لیا اور بطور طعنہ کے انہیں منہاس کہنے لگے بعض مورخین کے نزدیک ملہن قوم کا ہنس دیو' منہاس قوم کا مورث اعلیٰ تھا۔ اس قوم کی اکثریت ریاست جموں جالندھر اور ہوشیار پور (بھارت) اور پاکستان کے شہر سیالکوٹ میں پائی جاتی ہے۔

راٹھور

راٹھور خاندان کا گوترا چاریہ (شجرہ نسب) حسب ذیل ہے۔ گوتم گوتر مردونوی ساکھا' سنکرا جارج گرو' گریتی اگنی' اور لکھانی دیوی ' لیکن کچھ راجپوت مورخ اس قوم کی پیدائش راجہ "اندر" کی پیٹھ کی ہڈی سے بتاتے ہیں جو ہندوؤں کا ایک مشہور دیوتا گزرا ہے اندر سبھایا اندر کا اکھاڑہ ' اردو اور ہندو زبان میں ایک تلمیح بن چکا ہے۔ کچھ تاریخی کتابوں میں لکھا ہے کہ سورج بنسی خاندان کا "نین پال" راجہ ' راٹھوروں کا جدامجد تھا۔ اس راجہ نے ۵۴۶ سمت بکرمی میں قنوج فتح کیا تھا۔ اس خاندان میں فرمانروا اکیس پشتوں تک راؤ کہلاتے رہے راٹھور خاندان کی مشہور شاخیں یہ ہیں۔

کبیریا' پچھرا' ملادت' سوندو' فسولی' دھندل' مورسیا' بندھیل' چکت دوہرایا' کھرکھرا اور بدرا

کتاب "راجپوت گوتیں" کا مصنف لکھتا ہے راٹھور راجپوتوں کا ایک مشہور فرقہ ہے جو پہلے ہندو تھا۔ اب اس کی کثیر تعداد مسلمان ہو گئی ہے۔ راتھر کشمیر کے ان شیوخ میں سے ہیں جو کھشتریوں سے مسلمان ہو گئے تھے۔ اسی لئے جناب محمدؐ دین فوق نے کتاب اقوام کشمیر" میں راٹھوروں کو کشمیری قوم کی ایک شاخ قرار دیا ہے۔

۹۸۰ء کے قریب راٹھوروں میں راجہ مل ایک مشہور معروف راجہ ہو گزرا ہے یہ متھرا (بھارت) سے نقل مکانی کر کے ضلع جہلم میں آ گیا تھا۔ اور اسی نے کوہستان

نمک میں ملوث آبا دکیا تھا اس کے ایک لڑا جو دھا تھا جس کے نام پر بھارت میں جودھپور اور پاکستان میں کوہ جودہ مشہور ہے یہ جودھپور سے اپنی فوجوں سمیت جہلم آیا اور سارے کوہستان پر قابض ہو گیا تھا۔

بھٹی راجپوت

بھٹی راجپوت قوم شور سینی سے تعلق رکھتی ہے۔ اور اس کا شجرہ نسب کرشن جی مہاراج سے ملتا ہے شور سینی خاندان کی پینسٹھویں پشت میں راجہ بابو چند کے گھر میں راجکمار نے جنم لیا تھا بھٹی خاندان کا شجرہ اس طرح ہے راجکمار بھٹی' بابوچند' سالباہن' رج' گج اور سری کرشن مہاراج' مہاراجہ گج مشہور سینی قوم سے تھا۔ اسی نے غزنی شہر آباد کیا تھا۔ غزنی کا قدیم نامی گجنی تھا جو بعد میں غزنی بن گیا بھٹی خاندان' قوم یادوبنس یا جادوبنس کی ایک شاخ ہے قدیم زمانے میں بھٹی خاندان' جمنا سے دو ارکا تک کئی برس حکومت کرتا رہا ہے ۔بھٹیر' اور پنڈی بھٹیاں ان کے مشہور مسکن تھے بھٹی خاندان میں راجہ بھائیے ایک مشہور راجہ ہو گزرا ہے جسے سلطان محمود غزنوی نے شکست دے کر اس کا علاقہ چھین لیا تھا بقول جنرل کننگھم کے بھٹی' کوہستان نمک اور کشمیر پر کافی عرصہ حکمرانی کرتے رہے ہیں اس کا وقت ان کا صدر مقام راولپنڈی تھا۔

جلال الدین اکبر شہنشاہ ہند کے عہد میں "دُلا بھٹی" ایک بہادر انسان ہو گزرا ہے یہ حکومت وقت کا باغی تھا لیکن عوام کا ہمدرد اور خدمت گزار تھا۔

جسوال

پنجاب کے راجپوتوں میں اس خاندان کا مقام بہت بلند ہے جسوال خاندان کے لوگ بڑے بہادر ہو گزرے ہیں۔ اس خاندان نے سیکڑوں برس پنجاب سندھ' نیپال اور کشمیر پر حکومت کی ہے۔ یہ قوم شروع میں گجرات کاٹھیاوار میں آباد تھی۔ افسوس کہ اس بہادر خاندان کے تفصیلی حالات کسی کتاب سے دستیاب نہ ہو سکے۔

جنجوعہ

جنجوعہ خاندان راجہ سالباہن کے لڑکے بلند کی نسل ہے راجہ بلند کے سات بیٹے تھے۔ بھٹی سب سے بڑا اور جنج چوتھے نمبر پر تھا۔ راجہ جنج کی اولاد جنجوعہ راجپوت کہلاتی ہے۔ جنجوعہ راجپوتوں کی بھارت میں فیروز پور اور پاکستان میں ضلع جہلم اور گجرات میں اکثریت ہے کتاب "راجپوت گوتیں" کے مصنف کے مطابق راٹھور اور جنجوعہ ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں یہ قبیلے جادو بنسی راجپوتوں کی اولاد سے ہیں جو کرشن کی وفات کے بعد سلسلہ کوہستان نمک (جہلم) کی طرف چلے آئے تھے۔ ان میں راجہ مل بہت نامور راجہ گزرا ہے اس نے ۹۸۰ء عیسوی کے قریب جودھپور سے نقل مکانی کر کے جہلم کے قریب ملوٹ آباد کیا تھا۔ جودا جس کے نام پر قوم جنجوعہ ہے اسی کا لڑکا تھا۔

کھوکھر

کھوکھروں کا تعلق کوسی راجپوت قبیلے سے ہے قدیم زمانے میں اس قبیلے کا بانی دادن خان تھا جس نے پرانے شمس آباد کے مقام پر موجودہ گاؤں پنڈدادن خان آباد کیا تھا۔ دادن خان کی اولاد دو بڑی شاخوں میں بٹی ہوئی ہے ان کے بڑے آدمی راجہ کہلاتے ہیں ان میں احمد آباد کا راجہ بڑا نامی راجہ ہو گزرا ہے کھوکھر پنڈدادن خان' ہری پور' کھوکھراں' جہلم اور کالا میں کثرت سے آباد ہے۔

پال

مسلمان راجپوتوں کی ایک ذات ہے پال کا لفظ سب سے پہلے راجہ دھرونت پال نے اپنے لئے استعمال کیا تھا۔ یہ راجہ کرن کی چوتھی پشت میں ہوا ہے اس وقت جہلم

اور پاکستان میں جتنے بھی پال موجود ہیں وہ سب کے سب مسلمان راجپوت ہیں۔ پال خاندان میں راجہ سکھ پال نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا تھا۔ ور اسے محمود غزنوی کے ہاتھوں اسلام قبول کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

چیب

اس قوم کا سلسلہ خاندان نعمان بن داراب' شاہ بن بہمن ایرانی بادشاہوں سے ملتا ہے۔

گکھڑ

محمود غزنوی کے زمانے میں شاہ کامل خان' قوم مغل کیانی ایران سے نقل مکانی کر کے غزنی میں آیا اور کچھ مدت وہاں گزرنے کے بعد کابل میں آکر مستقل طور پر سکونت پذیر ہو گیا۔ اس کا ایک بیٹا بڑا بہادر اور معاملہ فہم انسان تھا۔ اس کا نام گکھڑ شاہ تھا وہ کابل سے اپنے ساتھ ایک اچھی جمعیت لے کر پوٹھوہار کے علاقہ میں آگیا اس وقت پوٹھوہار کے علاقہ پر ایک کشمیری پنڈت راجہ راج کر رہا تھا گکھڑ شاہ اور اسکے ساتھی جنگجو اور مرد میدان تھے۔ انہوں نے کشمیری پنڈت راجہ کو میدان کارزار میں زبردست شکست دے کر پورے ملک پوٹھوہار کو اپنے قبضے میں کر لیا اور انہوں نے موضع دانگلی کو پوٹھوہار کا دارالسلطنت بنایا۔ گکھڑوں میں سلطان آدم' سلطان سارنگ' ہمت خان اور مکرم خان بڑے نامی گرامی اور بہادر راجے ہوئے ہیں گکھڑوں نے تقریبا ۷۲۰ برس تک جہلم سے لے کر اٹک تک حکمرانی کی ۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ گکھڑ کیانی قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور یہ ۵۱۳ قبل مسیح میں دارا گشاسپ ایرانی کی فوج میں آئے اور جہلم و راولپنڈی کے علاقوں میں آباد ہو گئے۔ گکھڑ بڑی بہادر

جنگجو اور شوریدہ سر قوم ہے گکھڑوں نے محمود غزنوی کے خلاف راجہ انند پال کا ساتھ دیا تھا اور مغل فرماں روا بابر کے ساتھ ان کے تعلقات بڑے خوشگوار رہے لیکن شیر شاہ سوری اور گکھڑوں میں ہمیشہ معرکے ہوتے رہے۔ اس قوم کا آخری سردار مقرب خان سکھوں سے لڑتا ہوا شہید ہو گیا تھا۔

ارائیں

ارائیں محمدؒ بن قاسم کی فوج عراقی اور شامی دو گروہوں پر مشتمل تھی۔ شامی گروہ کے فوجی جو ان ملک شام کے شہر اَرَیحا سے آئے تھے۔ فتح سندھ اور ملتان کے بعد ان شامیوں کی اچھی خاصی تعداد سندھ اور پنجاب میں آباد ہو گئی تھی۔ پہلے پہل لوگ انہیں اَرَیحا کہتے تھے پھر مرورِ زمانہ سے اَرَیحا ارائیں میں بدل گیا۔ علی اصغر چوہدری "داستانِ اَرائیاں" میں لکھتے ہیں کہ محمد بن قاسم کی فوج میں ایک قبیلہ وہ تھا جو شام کے علاقہ اریحا سے آیا تھا۔ پنجابی لہجے اور تلفظ نے اسے ارائیں بنا دیا۔ ضلع جہلم کے ارائیں بڑے محنتی، جفاکش اور بہترین کاشت کار ہیں اور اپنے آپ کو چوہدری کہلواتے ہیں۔

افغان

تاریخ فرشتہ کی روایت کے مطابق خالد بن عبد اللہ جو کسی عربی سوداگر کا لڑکا تھا۔ کافی عرصہ سے کابل میں سکونت پذیر تھا۔ کابل کے حاکم سے اس کی کچھ چپقلش ہو گئی اور وہ شاہی عتاب سے ڈر کر کوہ سلیمان کی طرف بھاگ گیا، اور وہیں رہنے لگا کچھ عرصہ کے بعد اس نے اپنی لڑکی کی شادی وہاں کے پہاڑی سردار سے کر دی۔ جس کے بطن سے دو لڑکے پیدا ہوئے ایک کا نام لودھی رکھا گیا اور دوسرے کا سوری۔ اول الذکر لودھی خاندان کا بانی ہوا ثانی الذکر سوری خاندان کا۔

افغانوں کے بارے میں تاریخ ہند کا اقتباس پیش خدمت ہے۔ "افغانوں کا دعوی

ہے کہ وہ بنی اسرائیل کی نسل سے ہیں۔ اور انہوں نے شاہ بخت نصر کے زمانہ میں جس نے انہیں ملک شام سے نکال کر فارس کے جنوب مشرقی پہاڑوں میں آباد کیا تھا۔ انہوں نے وہاں علاقہ "غور" کی بنیاد ڈالی۔ ان دنوں ان کا مذہب یہودی تھا۔ جب عرب کے یہود آنحضورؐ کے دست مبارک پر بیعت کر کے مسلمان ہوئے تو انہوں نے علاقہ غور کے بھائی بندوں کو بھی دعوتِ اسلام دی۔

ادھر افغانیوں نے بھی عرب میں ایک جماعت بھیجی۔ جس میں قدیم یہودی بادشاہ "شاؤل" کے خاندان کا ایک سردار قیس نامی بھی شامل تھا۔ یہ جماعت پیغمبرؐ اسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئی اور مسلمانوں کی طرف سے کفارِ مکہ کے خلاف نہایت بہادری سے لڑی۔ اس پر حضورؐ نے قیس کا نام عبدالرشید رکھا اور اسے امیر کا لقب دے کر افغانستان میں اشاعت اسلام کے لئے بھیجا۔ اس مختصر جماعت نے واپسی پر تمام ملک میں دین اسلام پھیلایا۔ افغانوں کے بڑے بڑے فرقے امیر عبدالرشید کی اولاد میں سے ہیں۔ اور تمام افغان میر عبدالرشید کا نام بڑے ادب و احترام سے لیتے ہیں افغانیوں کے خاندان لودھی نے ۱۴۵۱ء سے ۱۵۵۶ء تک تمام ہندوستان پر حکومت کی۔ بہلول لودھی' اور ابراہیم لودھی اس خاندان کے مشہور بادشاہ ہو گزرے ہیں آخرالذکر ابراہیم لودھی کو ظہیر الدین بابر نے پانی پت کے میدان میں شکست دے کر اس سے حکومت سندھ چھین لی تھی افغانیوں کے دوسرے خاندان سوری نے ۱۵۴۰ء سے ۱۵۵۵ء تک ہندوپاک پر حکومت کی۔ اس خاندان کا بانی شیر شاہ سوری تھا۔ قلعہ رہتاس' سوری خاندان کے دبدبہ و جبروت کی اب بھی شہادت دے رہا ہے۔

مائر' کہسار' اور کھوٹ

یہ تینوں قبیلے اصل کے لحاظ سے ایک ہی ہیں اور یہ قبیلے دھنی کے علاقہ میں کثرت سے پائے جاتے ہیں خصوصا ردپوال' چکوال چک نورنگ اور پادشہانی میں مائروں

کا دعویٰ ہے کہ ہم جموں کشمیر کے نواح سے شہنشاہ بابر کے ساتھ پنجاب میں آئے تھے۔ اور اسی نے ہمیں دھنی کے علاقہ میں آباد کیا تھا اس وقت دھنی میں برائے نام آبادی تھی ان کی روایات سے خود مختاری اور تحکمانہ پن جھلکتا ہے ان کے بڑے لوگ چوہدری کہلواتے ہیں اور مائروں کی پنچائت کو چوہدریاں کہتے ہیں

گندھیاک اور موہیال

تقسیم ہند سے پہلے ضلع جہلم میں ہندوؤں کی دو ذاتیں گندھیاک اور موہیال بڑی اہمیت کی حامل تھیں۔

موہیال کی تعداد پورے ضلع میں تقریباً گیارہ ہزار نفوس پر مشتمل تھی۔ یہ اگرچہ بکھرے ہوئے تھے لیکن ان کا اصل وطن جہلم تھا موہیال جہلم' کالا' کریالہ' پنڈدادن خان' بجوالہ' اور سنگھوئی میں آباد تھے۔ اگرچہ یہ تعداد میں کم تھے۔ لیکن ایک متحرک اور الوالعزم نسل سے تعلق رکھتے تھے اور انگریزی حکومت کی ملازمت کے ذریعہ جس میں یہ بڑی تعداد میں شامل ہوئے تھے۔ اہمیت حاصل کرتے رہے۔ ۱۹۲۵ء سے سر زمین کالا سے موہیالوں کا خاندانی اخبار "موہیال گزٹ" کے نام سے چھپتا رہا اس کے مالک اور ایڈیٹر کالا گوجراں کے مہتہ شام داس تھے۔ جو کہ چھبر خاندان کے ایک فرد تھے۔ یہ کالا گوجراں کے گڑھی محلّہ میں رہتے تھے۔ اردو' ہندی اور انگریزی زبان پر عبور رکھتے تھے۔ ان کے دادا مہتہ سخانند' سکھوں کے عہد میں ایک جاگیردار گورنر تھے۔ یہ ہندی زبان کے شاعر تھے اور کتبے بھی لکھا کرتے تھے۔

مہتہ مسکین چند جو کہ کالا کے ایک نامور شاعر اور معروف ڈرامہ نویس تھے۔ یہ موہیال گزٹ کی خود کتابت کر کے اسے لاہور سے چھپواتے تھے۔ مہتہ مسکین بھی قوم موہیال سے تعلق رکھتے تھے۔

موہیال کی وجہ تسمیہ   اس لفظ کا ماخذ سات موہیال یا گوتیں ہیں۔ جن میں'

موہیال تقسیم تھے۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں۔

دت، چھبر، بالی، موہن، وائڈ، بھموال، اور لین، اور ان تمام گوتوں کے افراد اس ضلع میں آباد تھے۔

اقوام کشمیر اور ان کی گوتیں

یہ مضمون "آئینہ کشمیر" مصنف محمدؐ عبداللہ قریشی تاریخ اقوام کشمیر مصنف محمد دین فوق مرحوم اور ماہنامہ "معلومات" لاہور جلد نمبر ۱۴ سے استفادہ کرنے کے بعد لکھا گیا ہے۔

یہاں پر اقوام کشمیر کے ذکر سے پہلے خطہ کشمیر کا تھوڑا سا تذکرہ کرنا ضروری ہے۔

کشمیر پاکستان کے صوبہ پنجاب کے شمال میں چور اسی ہزار ۸۴۰۰۰ مربع میل کا ایک خطہ ہے جس کی سرحدیں پاکستان، مشرقی پنجاب (بھارت) اور چینی ترکستان سے ملی ہوئی ہیں۔ صوبہ کشمیر میں ۹۵ فیصد مسلمان آباد ہیں اور صوبہ جموں میں ٦٧ فیصد جموں و کشمیر کی آبادی نے ۱۹۳۱ء سے ۱۹۴۷ء تک حصول آزادی کے لئے مسلسل جدوجہد کی اور مال و جان کی قربانیاں پیش کی۔ ۱۹۴۷ میں تقسیم ہند کے بعد وہ علاقے جو مجاہدین نے فتح کئے وہاں آزاد کشمیر حکومت قائم ہے تیسرا حصہ گلگت ہے جس پر براہ راست پاکستان کا عمل دخل ہے۔ خطہ کشمیر کے عالم وجود میں آنے کی کہانی بڑی دلچسپ ہے۔

عوامی روایات کے مطابق قدیم زمانے میں وادی کشمیر کی جگہ پر پانی کی ایک جھیل تھی جو چاروں طرف سے اونچے اونچے پہاڑوں سے گھری ہوئی تھی۔ ایک دن یہ پانی جنوب مشرق کی طرف رستہ بنا کر نکل گیا اور جھیل کی تہہ میں کشمیر کی خوبصورت وادی نمودار ہو گئی کیشپ رشی نے جھیل کا پانی خشک کر کے اسے انسانی آبادی کے

قابل بنایا۔ ایک اور روایت یہ ہے کہ دیوتا برہما کا پوتا کیشپ رشی، ایک سیناسی کے روپ میں جھیل کے کنارے رہتا تھا۔ جھیل کی تہہ میں رہنے والے راکھش اسے تنگ کیا کرتے تھے۔ آخر اس نے اپنی بپتا دیوتاؤں کو سنائی۔ تینوں دیوتا، برہما، وشنو، شیو اس کی مدد کو آگئے۔ شیو اور وشنو نے غصے میں آکر پہاڑ پر اپنا ترشول مارا اور جھیل کو خشک کر کے راکھشوں کو ہلاک کر ڈالا۔ اس طرح اس وادی کا نام کشپ میر پڑ گیا۔ جو رفتہ رفتہ کشمیر بن گیا۔

ایک اور کہانی اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ دیو جس نام "کاش" تھا اس وادی کی ایک حسین دوشیزہ "میر" پر فریفتہ ہو گیا "میر" نے اس وادی کو جنت کا ٹکڑا بنانے کی فرمائش کی، تو کاش دیو نے یہ فرمائش پوری کر دی، تب یہ دونوں مل کر یہاں رہنے لگے اور ان کے نام پر وادی "کاش میر" کہلانے لگی۔ جھیل کے خشک ہونے پر جگہ جگہ پہاڑیاں ابھر آئیں۔ جنگل اگ آئے اور سبزہ زار پیدا ہو گئے اور سبزہ زاروں نے حسین منظر کو جنم دیا۔ اس زمانے میں ترکِ دنیا کو انسانیت کی معراج سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ سنیاسیوں اور جوگیوں نے ڈیرے ڈال دیئے۔ اور پھر رفتہ رفتہ یہ وادی عام انسانوں کا مسکن بن گئی کیونکہ قدرتی پیداوار یہاں کثرت سے تھی۔ اس لئے برصغیر ہندوپاک کے ہر گوشے سے علم کے متلاشی اور سیاحت کرنے والے لوگ یہاں جمع ہو گئے۔ ہندومذہب کے پیروکاروں نے شاردا کے مقام پر ایک بہت بڑا پاٹھ شالہ قائم کیا یہاں شیومت نے جنم لیا۔

ہندوراج

جب آبادی میں کافی اضافہ ہو گیا تو اس کے نظم و نسق کو سنبھالنے کے لئے راج سنگھاسن کی بنیاد ڈالی گئی۔ اور ایک طویل عرصہ تک برہمن اس پر حکومت کرتے رہے۔ لیکن باہمی چپقلش کی وجہ سے کوئی خاندان مستقل حکومت قائم نہ کر سکا۔ جس

اور ۱۳۲۳ میں وفات پا گیا۔ اب کشمیر اسلامی دنیا سے روشناس ہو چکا تھا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا حیدر خاں کشمیر کا حاکم بنا اور اس کے بعد شاہ میر تخت پر بیٹھا۔ شاہ میر نے تخت پر بیٹھ کر سلطان شمس الدین اول کا لقب اختیار کیا اس کا خاندان تقریبا دو سو سال تک کشمیر پر حکومت کرتا رہا۔ اس کے بعد سلطان قطب الدین' سلطان سکندر اور سلطان علی شاہ کشمیر پر حکومت کرتے رہے ان کے بعد سلطان زین العابدین بڈشاہ ایک طویل عرصہ تک کشمیر پر قابض رہا یہ بادشاہ بڑا علم دوست اور خدا پرست تھا۔ پھر ۱۵۶۱ء میں کشمیر کی حکومت چک خاندان کے ہاتھوں میں آ گئی۔

مسلمان بادشاہوں کے دور میں حضرت سید علی ہمدانیؒ نے اسلام کی تبلیغ و اشاعت بڑے شاندار اور موثر طریقے سے کی۔ آپ کی تبلیغ کوششوں اور روحانی و اخلاقی قدروں کے سبب ہزاروں خاندان مسلمان ہو گئے ۔ چک خاندان کے آخری عہد میں شیعہ سنی فسادات بھڑک اٹھے۔ اس کے بعد مغلوں نے کشمیر پر دھاوا بول دیا اور اس پر قابض ہو گئے ۱۵۸۰ء میں مغل فرمانروا اکبر پہلی بار کشمیر آیا۔ اس کے بعد کشمیر مغل بادشاہوں کا پسندیدہ گرمائی مسکن بن گیا۔

مغلیہ خاندان کے رُوبہ زوال ہونے پر سکھوں نے پنجاب اور کشمیر پر قبضہ کر لیا اس کے بعد جب ہندوستان پر برطانوی راج کا جھنڈا لہرانے لگا تو اس وقت کشمیر پر پنجاب کے سکھوں کی حکومت تھی۔ اور جموں پر مہاراجہ گلاب سنگھ ڈوگرہ حکمران تھا ۱۸۴۶ء میں انگریزوں نے گجرات میں چیلیانوالہ کے مقام پر سکھوں کو جنگ میں شکست دی اور ان سے تمام مقبوضات چھین لئے اور ساتھ ہی تاوان جنگ کے طور پر سکھوں سے ایک کروڑ روپیہ بھی طلب کیا۔ یہ رقم سکھ ادا نہ کر سکے۔ انہوں نے اس رقم کے عوض ریاست جموں و کشمیر برطانوی حکومت کے حوالے کر دی۔ اس وقت انگریزوں کو روپوں کی اشد ضرورت تھی۔ انہوں نے ریاست جموں و کشمیر گلاب سنگھ ڈوگرہ کے

طبقے کو موقع ملتا وہ اپنی حکومت قائم لیتا۔ "پنڈت کلہن" "راج ترنگنی" میں لکھتے ہیں۔ جنگ مہا بھارت کے بیس برس بعد گونداول پہلا کشمیری راجہ ہوا ہے اور کشمیر کی موجودہ تاریخ کی ابتداء اسی راجہ سے ہوتی ہے۔

اشوک ۲۷۲ قبل مسیح تا ۲۳۲ قبل مسیح کے عہد میں کشمیر میں بدھ مت کا اثر و نفوذ عروج پر رہا۔ اس وقت راجہ اشوک نے سری نگر شہر آباد کیا اگرچہ شنکر اچاریہ نے بدھ مت کو کچلنے کے لئے کشمیر کو اپنا اڈہ بنا لیا تھا۔ لیکن اس کی کوششیں سعی رائیگاں ثابت ہوئیں۔ پہلی صدی عیسوی تک کنشک کے عہد میں بدھ مت پوری طرح کشمیر پر مسلط ہو چکا تھا۔ ان دنوں کشمیر میں تیسری بدھ مت مجلس بیٹھی جس نے بدھ قوانین کا نفاذ کیا۔ اس کا صدر مقام "ناگرحوانا" تھا بدھ مذہب والوں نے ایک طویل عرصہ تک کشمیر پر حکومت کی۔ تیسری صدی عیسوی میں برہمنی اقتدار دوبارہ غالب آ گیا۔ اور برہمنوں نے بودھوں پر ان گنت ظلم ڈھائے جب ہندوراج میں بدانتظامی زور پکڑ گئی تو ذلچو نامی فاتح نے کشمیر کے راجہ سہدیو کو مار کر کشتواڑ کی طرف بھگا دیا۔ ذلچو کی فوجوں نے سری نگر شہر جلا ڈالا اور ہزاروں کشمیریوں کو غلام بنا لیا۔

اسلامی دور

ذلچو کے دور کے آٹھ ماہ بعد تبت سے ایک بدھ شہزادہ رنچن شاہ اُٹھا۔ اس نے ۳۲۰ عیسوی میں کشمیر پر قبضہ کر لیا۔ وہ بڑا ذہین اور عالی مشرب انسان تھا۔ اس کے دوبار میں ہندو اور بدھ مت کے عالموں کے مناظرے ہوتے رہتے تھے۔ لیکن یہ دونوں مذہب اسے مطمئن نہ کر سکے۔ اس زمانے میں ایک ترک بزرگ عبدالرحمان عرف بلبل شاہ کشمیر میں تبلیغ اسلام میں مصروف تھے۔ رنچن شاہ ان کی تبلیغی تقریروں اور کچھ ان کی مقناطیسی شخصیت سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گیا۔ رنچن شاہ مسلمان ہو کر سلطان صدر الدین کے نام سے کشمیر پر حکومت کرنے لگا اس نے تین سال حکومت کی

ہاتھ فروخت کر دی۔ جس کے متعلق حکیم مشرق علامہ اقبال نے کہا تھا۔

قومے فروختند وچہ ارزاں فروختند

گلاب سنگھ اور اس کے جانشینوں رنبیر سنگھ، پرتاب سنگھ اور ہری سنگھ ڈوگرہ نے جس قدر مسلمانوں پر مظالم ڈھائے ان کے تصور ہی سے ضمیر کانپ اٹھتا ہے لیکن انتہائی ظلم برداشت کرنے کے باوجود کشمیری مسلمانوں نے حصول آزادی کی تحریک جاری رکھی۔ اور ان کے پائے استقلال میں مطلقاً لغزش نہ آئی۔ کشمیر میں ڈوگرہ حکومت مسلمانوں کو جس بے دردی سے پامال کر رہی تھی اس طوفان ہلاکت کا سدباب کرنے کی غرض سے ہندی مسلمانوں نے لاہور مسلم کانفرنس بلائی اور آل انڈیا کشمیر کمیٹی قائم کی۔ علامہ محمد اقبالؒ نواب صاحب گنج پورہ ذوالفقار علی خان، خان بہادر شیخ رحیم بخش ریٹائرڈ سیشن جج، سید محسن شاہ ایڈووکیٹ، خواجہ حسن نظامی دہلوی، سید حبیب ایڈیٹر "سیاست" لاہور، مولانا حسرت موہانی اور جماعت احمدیہ کے خلیفہ مرزا بشیر الدین محمود اس آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی قیادت کر رہے تھے۔ اس کمیٹی کی کوششوں سے ہندوستان میں کشمیری عوام کے حق میں آواز بلند ہوئی اور بیرونی دنیا کو بھی کشمیریوں کے مصائب و آلام کا علم ہوا۔ ۱۹۳۲ میں کشمیریوں نے مسلم کانفرنس کی بنیاد رکھی۔ اور ۱۹۳۹ میں شیخ عبداللہ نے نیشنل کانفرنس قائم کی۔ یہ دونوں جماعتیں حصول آزادی کے لئے تگ و دو کرتی رہیں۔ اور کاروان آزادی آگے بڑھتا رہا۔ اس دور میں کشمیریوں کی رہنمائی شیخ عبداللہ، چوہدری غلام عباس اور اللہ رکھا ساغر کر رہے تھے۔ ۱۹۴۷ء میں کشمیری عوام نے مسلح ہو کر ڈوگرہ حکومت کے ساتھ آزادی کی جنگ لڑنا شروع کر دی۔ کشمیر کا راجہ ہری سنگھ تحریک آزادی کو دبانے میں ناکام رہا تو اس نے یہ چال چلی کہ کشمیری عوام کی رائے معلوم کئے بغیر ریاست جموں و کشمیر کا الحاق بھارت سے کر دیا۔ حالانکہ وہ ایسا کرنے کا مجاز نہیں تھا کیونکہ قانون آزادی ہند کی رو سے ریاستیں

آزاد ہو چکی تھی اور برطانوی اقتدار کے خاتمہ کے بعد حق اقتدار' ریاست کے عوام کی طرف منتقل ہو چکا تھا۔ اس صورت حال سے نمٹنے کے لئے مجاہدین کشمیر نے ۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء میں آزاد کشمیر حکومت قائم کر لی۔ اور خواجہ غلام نبی گلکار انور کو صدارت سونپ دی۔

بھارتی حکومت یہ اقدام برداشت نہ کر سکی۔ اس نے اقوام متحدہ کو سلامتی کونسل میں مسئلہ کشمیر پیش کر دیا کہ باغیوں نے کشمیر پر حملہ کیا ہے اس لئے حملہ آوروں کا انسداد کیا جائے۔ سلامتی کونسل نے فیصلہ دیا کہ ریاست میں آزادانہ رائے شماری کرائی جائے۔ بھارت اور پاکستان دونوں حکومتوں نے یہ فیصلہ منظور کر لیا۔ مگر بھارتی حکومت اب تک کشمیر میں رائے شماری کرانے سے کترا رہی ہے۔

۷ اگست ۱۹۶۵ء میں مجاہدین کشمیر نے ریاست میں گوریلا جنگ شروع کر دی۔ بھارتی حکومت نے پاکستان پر الزام لگایا کہ یہ سب کاروائی حکومت پاکستان کروا رہی ہے پاکستانی حکومت نے اس الزام کو پر زور تردید کی لیکن بھارتی فوج نے پھر بھی حد متارکہ عبور کر کے آزاد کشمیر کے علاقہ پر حملہ کر دیا۔ مجاہدین کشمیر نے مجاہدین سورماؤں کا یہ حملہ بڑی جوانمردی سے پسپا کر دیا تو بھارتی حکومت نے اعلان جنگ کئے بغیر پاکستان پر کئی محاذوں سے بھرپور حملہ کر دیا۔ اور سترہ دن تک پاکستان اور بھارت میں ایک خونریز جنگ کا سلسلہ جاری رہا۔ اس جنگ میں پاکستان نے پیش قدمی کر کے بھرت کا سولہ سو مربع میل رقبہ اپنے قبضے میں کر لیا۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس جنگ میں ضلع جہلم کے مجاہدوں نے نمایاں کردار ادا کیا تھا۔

اس پاک بھارت جنگ کے سترہویں دن اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے دونوں ملکوں سے جنگ بند کرنے کی اپیل کی ۔ چنانچہ ۲۳ ستمبر ۱۹۶۵ء کو یہ جنگ اس شرط پر بند کر دی گئی کہ کشمیر میں رائے شماری اقوام متحدہ کی نگرانی میں کرائی جائے گی لیکن یہ

مسئلہ اب تک کھٹائی میں پڑا ہوا ہے۔ اس موقع پر مجاہدین نے اعلان کر دیا کہ ہم کشمیر آزاد ہونے تک اپنا جہاد جاری رکھیں گے۔ حصول آزادی کیلئے مجاہدین کشمیر نے بے شمار جانی قربانیاں دے کر اور اپنے گھربار لٹا کر یہ ثابت کر دیا کہ جرات و استقلال اور جاں فروشی میں وہ الجزائر کے مجاہدوں' ویت نام کے جانبازوں اور فلسطین کی تنظیم آزادی کے حریت پسندوں سے کسی طرح بھی کم نہیں۔ کشمیری قوم اتنی دلیر ہے کہ یہ برسوں سے ڈوگروں' سکھوں' انگریزوں اور بھارتی حکومت کے مظالم خندہ پیشانی اور جرات مردانہ سے برداشت کر رہی ہے۔ اور بڑے بانکپن سے آزادی کی منزلوں کی طرف گامزن ہے۔

کشمیری

کشمیری بنی اسرائیل کی نسل سے ہیں۔ حضرت یعقوبؑ کا لقب اسرائیل تھا جس کے معنی ہیں اللہ کا بندہ' حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹے تھے اور انہی کی نسل سے بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے وجود میں آئے۔ حضرت یعقوبؑ کے بیٹوں کے نام حسب ذیل تھے۔ روبن' ساہیون' یہودہ' عیساچر' زیبولون' اقائیم' شمعون' اسرائیل' یوسف' بن یامین' نہاسا' تصتائی .... ان قبیلوں سے پھر کئی گوتیں بنیں۔ اور ان کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی۔ جب بابل کے بادشاہ بخت نصر نے انہیں آزاد کیا تو ان کے دو قبیلے اپنے قدیمی وطن فلسطین چلے گئے اور باقی دس قبیلے نقل مکانی کر کے ایران' افغانستان اور کشمیر کی وادیوں میں آ کر آباد ہو گئے۔ ان علاقوں میں ان کی نسل نے بڑی ترقی کی۔ پٹھان اور کشمیری زیادہ تر بنی اسرائیل ہی کی نسل ہیں۔ اس دعوئ کی دلیل یہ ہے' کشمیریوں پٹھانوں اور بنی اسرائیل کی گوتوں اور جگہوں میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ اس سلسلے کی ایک چھوٹی سی فہرست کتاب تورات سے مرتب کی گئی ہے۔

(نوٹ) اسرائیلیوں کی قومی زبان عبرانی ہے۔

کشمیری یا پٹھانی نام	عبرانی نام
بٹ	باتھ
سپرو	سافر
بہیت پور	بیٹھ پور
خیبر	کبیر
جمرود	جمروتھ
کابل	کابل
ملک	ملک
ڈار	ڈور
میر	میرس
منٹو	مسہ
کچلو	کیملش
راتھر	رتھا
کوہاٹ	کوہاٹھو
مانسہرہ	موسہرو

اس دعویٰ کو محمدؐ دین فوق مرحوم کے نیچے دیئے ہوئے بیان سے بھی تقویت ملتی

ہے۔ آپ "اقوام کشمیر" میں لکھتے ہیں۔

"۱۲۸۲ قبل مسیح راجہ ترندر نے جب عنان حکومت ہاتھ میں لی تو اس کی تخت نشینی کے چند روز بعد حضرت سلیمانؑ کشمیر تشریف لائے اور ان کا ہوائی تخت کوہ جیت لارک یا شنکر چارج کی چوٹی پر آکر اترا۔ اور کشمیر میں یہ عام روایت ہے کہ حضرت سلیمانؑ یہاں آئے تھے اور انہوں نے بارہ مولا کے پہاڑ کو کاٹ کر پانی کا راستہ کھول دیا تھا۔ حضرت سلیمانؑ کی کشمیر میں آمد اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کی قوم کے کچھ قبیلے کشمیر میں آباد تھے"

زمانہ ماضی میں کئی بیرونی حملہ آوروں نے باشندگان کشمیر پر مسلسل بے انتہا مظالم ڈھائے ہیں اور اس جاں فروش بہادر قوم کی شجاعانہ صلاحیتوں اور فاتحانہ عزائم کو کچلنے کی بے شمار کوششیں کی گئی ہیں۔ تاکہ یہ قوم کوئی مجاہدانہ کردار ادا نہ کر سکے۔ لیکن یہ قوم بے پناہ مصائب کا مقابلہ کرتے ہوئے روز بروز ارتقاء کی منزلوں کی طرف بڑھ رہی ہے قومی ہیرو اور رستم زماں پیدا کرنا' کشمیریوں کا شروع سے شیوہ رہا ہے۔ اس قوم نے فن کشتی کے استاد نور الدین کشمیری اور کئی رستم زماں رمضی' گاماں' امام بخش' بھولو' اسلم' یونس' کالو' سلطان' بوٹا' گامی' صدیق' حمیدا غلام اور گونگا پیدا کئے۔ اور رستم زمانی کا گرز اب بھی کشمیریوں ہی کے پاس ہے۔

پہلوانوں کے علاوہ تن سازی میں مسٹر پاکستان کا اعزاز بھی کشمیری ہی حاصل کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ ۱۹۵۳ء میں اقبال بٹ کشمیری ۱۹۵۵ میں عمر بٹ کشمیری ۱۹۵۸ء میں الماس ڈار کشمیری' ۱۹۵۹ میں محمود بٹ کشمیری مسٹر پاکستان قرار پائے تھے۔

کشمیریوں نے ایک طرف گاماں پہلوان جیسے شیر صفت انسان پیدا کئے تو دوسری طرف عالمی شہرت رکھنے والا فلسفی شاعر علامہ اقبالؒ جیسا مفکر اور زعیم ملت بھی پیدا کیا ان ہستیوں کے علاوہ مشہور ڈرامہ نگار حشر کاشمیری' عظیم محقق اور مورخ محمد دین فوق

اور فصیح البیان مقرر آغا شورش کاشمیری بھی اس قوم کے مایہ ناز فرزند تھے۔

نورالدین کشمیری رستم زماں کا تعارف

نورالدین کشمیری رستم زماں نے فن کشتی کے ۳۶۰ داؤ ایجاد کئے تھے۔ مختلف پہلوان اب بھی یہی داؤ استعمال کرتے ہیں ان میں قطعاً کوئی اضافہ نہیں ہوا اسی لئے نور الدین کشمیری کو فن کشتی کا امام سمجھا جاتا ہے۔ نور الدین رستم زماں کشمیری قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ ۱۵ فروری ۱۶۳۵ء میں پاکستان کے دل لاہور میں پیدا ہوئے ان کے والد محترم مغل بادشاہ شاہجہان کے عہد میں جنرل کے منصب پر فائز تھے۔ نور الدین کو اورنگ زیب عالمگیر نے رستم زماں کا خطاب دیا تھا۔ آپ کے تقریباً دو سو شاگرد تھے۔ اور آپ تمام عمر مجرد رہے۔ (ماخوذ از آئینہ کشمیر محمدؐ عبد اللہ قریشی) کشمیریوں کو گوتیں اور ان کی وجہ تسمیہ بیان کرنے سے پہلے میں سادات کشمیر کا ذکر کرنا اشد ضروری سمجھتا ہوں اور ادب کا بھی یہی تقاضا ہے۔

سادات

جہلم میں سادات کے مختلف خاندان، گیلانی، ہمدانی، بخاری، رضوی اور سادات نقشبندی وغیرہ، کشمیر، کرمان، خوارزم، تبریز، بلخ، بخارا اور کابل سے آئے ہیں۔

سادات ہمدانی

سید علی ہمدانیؒ سلطان قطب الدین والئی کشمیر کے عہد میں ۷۸۱ء میں کشمیر تشریف لائے تھے۔ آپ کی کوششوں سے غیر مسلموں کے کئی خاندان مسلمان ہو گئے تھے۔

سادات رضوی

سلطان زین العابدین بڈ شاہ حاکم کشمیر کے دور میں سید حسین رضوی' ایران کے شہر "قم" سے یہاں تشریف لائے تھے۔ آپ کی اولاد رضوی سید کہلاتی ہے آپ چونکہ امام علی رضا کی نسل سے تھے۔ اسی لئے رضوی کہلاتے تھے۔

سادات نقشبندیہ

حضرت خاوند محمود نقشبندی مغل بادشاہ جہانگیر کے عہد میں ہندوستان تشریف لائے۔ اور خواجہ عبدالرحیم نقشبندی' محمد شاہ کے دور میں کشمیر تشریف لائے تھے۔ اور یہی دو بزرگ نقشبندی سادات کے بانی ہیں۔

سادات گیلانیہ

حضرت شیخ عبدالقادر گیلانی کی اولاد گیلانی کہلاتی ہے۔ سادات بخاری حضرت امام بخاریؒ کی اولاد سے ہیں۔

مذکورہ بالا سادات خاندانوں کے علاوہ سادات کے اور بھی کئی خاندان ضلع جہلم میں آباد ہیں لیکن مشہور نہیں۔

کشمیریوں کی گوتیں

قریش

قریش یا قرش ایک سمندری جانور کا نام ہے۔ یہ تمام آبی جانوروں پر غالب ہے۔ اور ان کا سردار ہے نضر بن کنانہ کے بیٹے اپنی تمام قوم سے زیادہ طاقتور تھے اور اس قبیلہ کو عرب کے تمام قبائل پر فوقیت حاصل تھی۔ اس لئے یہ قبیلہ بھی اپنی قوت

کی وجہ سے اس سمندری جانور کے نام پر قریش مشہور ہو گیا۔ حضرت ابراہیمؑ اور خود سرورؐ کائنات بھی اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔

میر

میر ترکی زبان کا لفظ ہے اس کے معنی سردار ہیں۔ جیسا کہ میر لشکر، میر آتش اور میر سامان وغیرہ۔

میر کو میرزا یا میر بھی کہتے ہیں۔ مغل قوم کے افراد بھی میر کہلاتے ہیں ان کا جد امجد مغول خان تھا مغول خان کے تحت جتنا ملک تھا اسے مغولستان کہا جاتا ہے مغول کے لغوی معنی شریف اور شہزادہ کے ہیں۔ مغول واحد لفظ ہے جمع نہیں۔ مغل اس کا مخفف یا خلاصہ ہے مغول خاں کی اولاد میں کئی نسلوں کے بعد دو فرزند قبل خاں اور قالوچی خان پیدا ہوئے۔ قبل خان اور اس کی اولاد حاکم بن کر ملک پر حکومت کرتی رہی۔ اور قالوچی خاں اور اس کی اولاد کئی پشتوں تک سپہ سالاری کے منصب پر فائز رہی۔ قالوچی بہادر نے اپنے لئے میر کا لقب پسند کیا۔ اور اس کی اولاد بھی اسی لقب سے ملقب ہوتی رہی۔

تیمور گوگانی بھی اسی نسل سے تھا اور بادشاہ ہونے کے باوجود وہ میر تیمور ہی کے نام سے مشہور ہے۔ میر قوم کے شہزادے میرزادہ کے لقب سے ملقب ہوتے تھے اور شاہی خاندان کے دوسرے افراد میرزا کہلاتے تھے۔ مشہور مغل فرمانروا شہنشاہ ہند ظہیر الدین بابر کا باپ عمر شیخ میرزا کہلاتا تھا۔

بیگ

بیگ ترکی زبان کا لفظ ہے اور یہ سردار کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ بیگ کا مخفف "بے" ہے گزشتہ زمانے میں ترکی میں "بے" کا خطاب فوجی افسروں کو دیا جاتا تھا۔ غازی انور "بے" ترکی کی فوج کے ایک مشہور جنرل ہو گزرے ہیں چینی ترکستان

کے علاقہ میں سردار کو آج بھی بیگ کہتے ہیں۔ زمانہ ماضی میں سلطان بیگ پنجاب کے علاقہ کا ایک مشہور کبڈی باز ہو گزرا ہے بیگی اور بی بی کے الفاظ بیگم کے لفظ سے نکلے ہیں اور بیگم بیگ کی مونث ہے۔

لون

لون "راج ترنگنی" میں پنڈت کلہن لکھتے ہیں۔ لونیا قوم کشمیر کے دیہاتی علاقوں میں کثرت سے پائی جاتی تھی۔ لونیا قوم کے افراد بڑے لڑاکے ہوا کرتے تھے۔ کشمیر کا راجہ "ہرش دیو" لونیوں سے دشمنی رکھتا تھا۔ اس راجہ نے اس قوم پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے اور اس ظلم سے تنگ آ کر لونیا قوم نے اس راجہ کے خلاف مسلح بغاوت کر کے اس کی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ اور اسے ہلاک کر ڈالا۔ اور راجہ "اوچل" کو تخت پر بٹھا دیا۔ اور اس کی وفات کے بعد "اوپیادیو" حاکم بنا۔ اوپیادیو کے عہد میں لونیا قوم کو بڑا عروج ملا۔ لون قوم کے افراد حضرت سید علی ہمدانی کی تبلیغی کوششوں سے مسلمان ہو گئے تھے۔

ڈار

تاریخ "گلشن کشمیر" میں ڈار قوم کو کھشنزی لکھا گیا ہے۔ کشمیر کے ہندو راجاؤں کے بعد جب مسلمان سلاطین کا دور آیا تو تقریباً ۱۳۲۵ء میں ڈار قوم نے مذہب اسلام قبول کر لیا۔ اپنے سیاسی تدبر اور بہادرانہ کارناموں کے باعث اس قوم کو بڑا اقتدار حاصل رہا۔ یہاں تک کہ ڈار قوم کے افراد اپنی حکومت کا ایک ضروری عضو تصور ہونے لگے۔ چنانچہ سلطان فتح شاہ ۸۹۵ھ تا ۸۹۸ھ کشمیر پر حکومت کرتا رہا۔ یہ بادشاہ امور سلطنت اور کاروبار مملکت ' سیف ڈار کے مشورہ سے سرانجام دیتا تھا۔ سیف ڈار کی معاونت اور ڈار قوم کی مدد ہی سے وہ تاج و تخت کا مالک بنا تھا۔ مسلمان ڈاروں میں، کشمیر کا سیف ڈار پہلا مسلمان تھا۔

بٹ

بٹ اصل میں سنسکرت زبان کے لفظ "بھٹ" کی بدلی ہوئی صورت ہے راج ترنگنی میں بٹ قوم کو برہمن لکھا گیا ہے بٹ قوم ماضی میں کشمیر کے اندر اچھے خاصے اثرورسوخ کی مالک تھی۔ سلطان سکندر ۱۳۹۴ء تا ۱۴۱۷ء کشمیر کا مشہور فرمانروا ہو گزرا ہے۔ اس کا وزیراعظم سیف الدین بٹ تھا۔

سلطان حسن شاہ والئی کشمیر ۱۴۸۷ میں فوجوں کا سالار اعظم محمد تازی' بٹ قوم کا ایک بہادر شخص ہو گزرا ہے۔ کشمیریوں کی دیگر قوموں کی طرف بٹ قوم بھی کشمیر سے ہجرت کر کے پاک و ہند کے مختلف اضلاع میں پھیلی ہوئی ہے۔

شیخ

شیخ کا لفظ کسی معزز شخص کے لئے ادب و احترام کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ پیر اور مرشد کو بھی شیخ کہتے ہیں۔ کویت کے فرمانبروا کر بھی شیخ کویت کہا جاتا ہے یہ معزز خطاب ان خوش نصیب انسانوں کا بھی ملتا ہے۔ جو دوسرے مذاہب چھوڑ کر حلقہ اسلام میں داخل ہوتے ہیں۔ شیخ کشمیریوں کی ایک معزز گوت ہے۔ شیخ عبدالقادرؒ اور شیخ محمد اقبالؒ مفکر اسلام اسی قوم کے فرزند جلیل تھے۔

ملک

ملک قوم نہیں بلکہ خطاب ہے۔ سلاطین کشمیر کے زمانے میں تمام رؤسا مصاحب اور فوجی آفیسر اسی خطاب سے مخالب کئے جاتے تھے۔ یہ خطاب مخصوص قبیلے کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ قدیم زمانے میں راستوں کی نگرانی کرنے والے کو ملک کہا جاتا تھا۔

زمانہ سلف میں جب بابل کے بادشاہ "بخت نصر" نے بنی اسرائیل کو ملک شام

سے نکال دیا تو ان کی نسل کا کچھ حصہ خراسان اور افغانستان کے علاقوں میں آباد ہو گیا۔ اور اپنی کثیر تعداد کی وجہ سے تمام کوہستانی علاقے پر قابض ہو گیا۔ عرب کے بنی اسرائیلیوں میں ایک مدت کے بعد حضرت خالد بن ولیدؓ پیدا ہوئے۔

جب حضرت خالد بن ولیدؓ مسلمان ہوگئے تو انہوں نے اپنے مدت کے بچھڑے ہوئے بھائیوں کو جو افغانستان اور خراساں میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ اپنے پاس بلا لیا۔
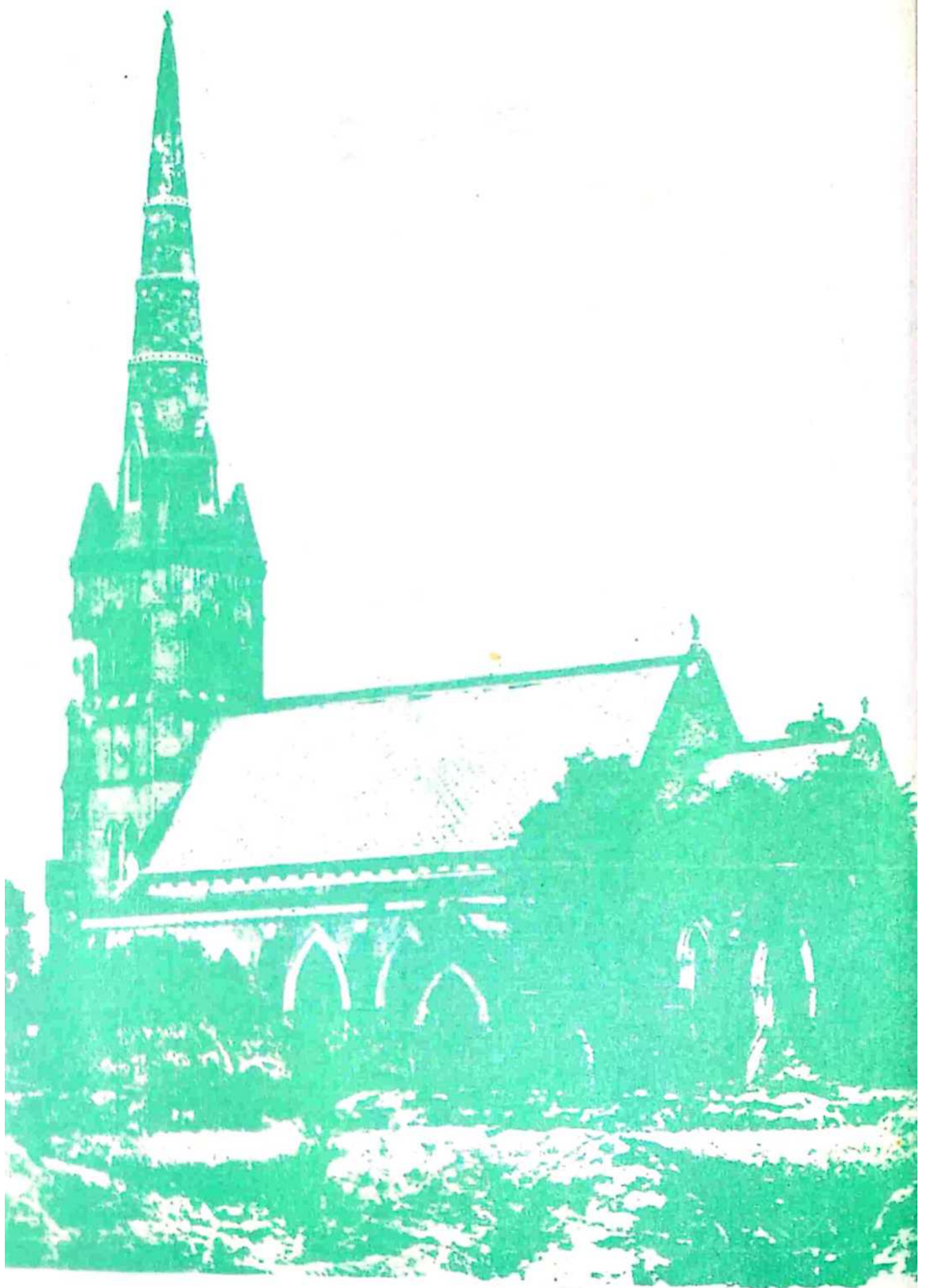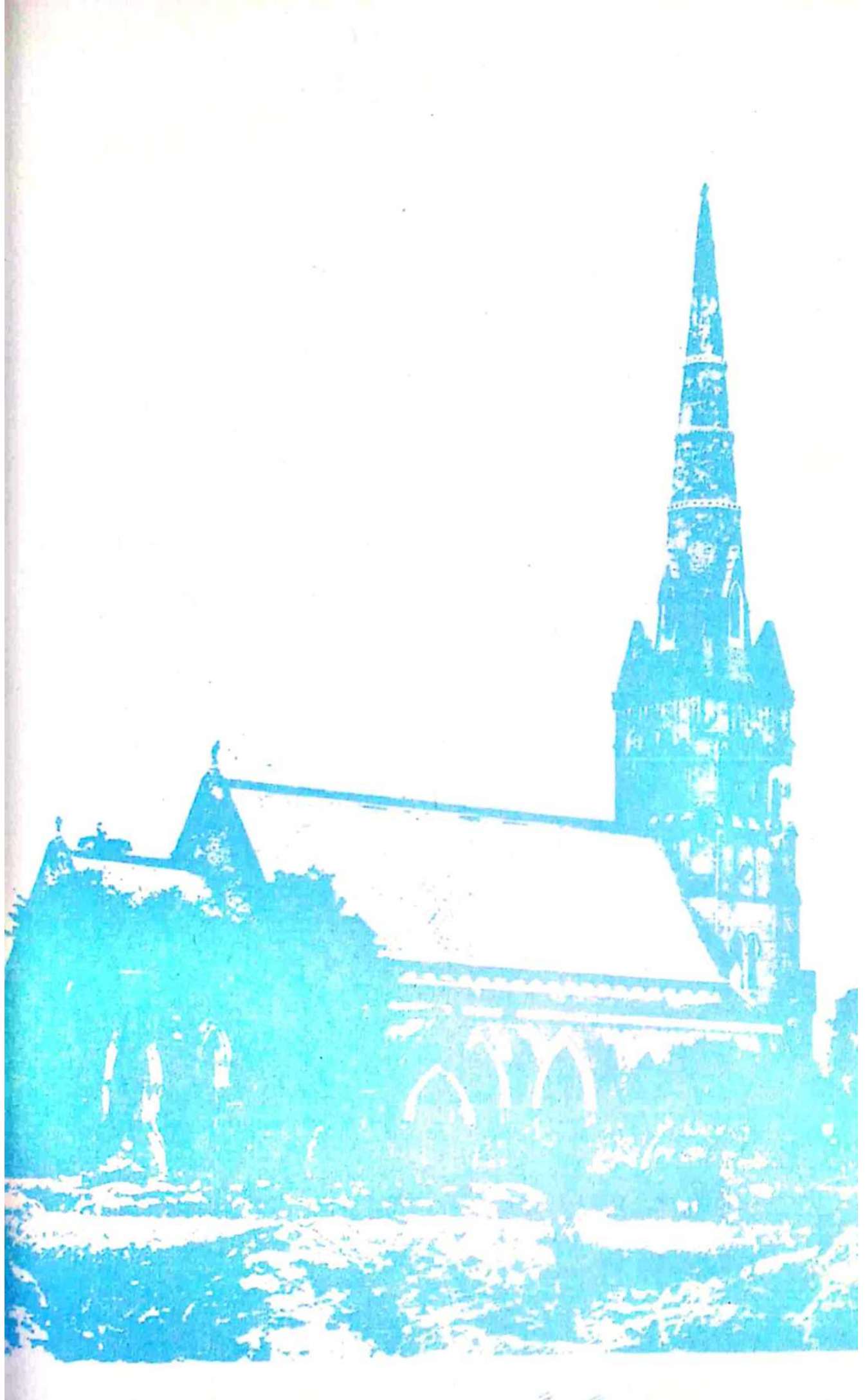
جہلم کے اولیائے عظامؒ

جہلم زمانہ قدیم سے ناتھ جوگیوں ' خدااندیش درویشوں اور روشن ضمیر فقیروں کا مسکن چلا آ رہا ہے۔ اس سلسلے میں قارئین کے ذوقِ لطیف کی تسکین کے سامان مہیا کرنے میں شاید کامیابی نہ ہو سکے۔ کیونکہ جہلم کے عوام اپنے روحانی بزرگوں کے عرس اور میلے تو بڑے ٹھاٹھ سے کرتے ہیں۔ اور ان کی کرامتوں کے تذکرے بھی بڑے فخر سے سناتے ہیں لیکن بزرگوں کی زندگی کے حالات و واقعات اور دیگر ضروری کوائف کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ جہلم کے مشہور روحانی پیشواؤں مثلاً حضرت سلیمان پارسؒ حضرت بابا کرم شاہ بخاریؒ کالا کے پیر عظمت علیؒ راٹھیاں کے دیوان بادشاہؒ اور پیر شہاب علی نوگزہؒ کے حالات جاننے کی غرض سے علاقہ کے ان گنت معمر اور پڑھے لکھے بزرگوں سے ملا گیا لیکن وہ ان خدا رسیدہ بزرگوں کی کرامتوں کے سوا کچھ نہ بتا سکے۔

یہاں کے عوام کے دربار سے اس سلسلے میں مایوسی کے بعد یہ مضمون پڑھ کر قارئین کو بھی شاید مایوسی ہی رہے گی۔ اس ایٹمی زمانے اور ترقی یافتہ دور میں جبکہ عوام کی اکثریت کے ذہن مادی قدروں سے پوری طرح آلودہ ہیں روحانی بزرگوں کے متعلق کچھ لکھنا یوں بھی قدامت پسندوں کی صف میں لے آنا ہو گا۔ حالانکہ

ہے دل کے لئے موت مشینوں کی حکومت
احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات

(اقبالؒ)

کہاں آج کا ترقی پسند طبقہ جو سرتاپا حرص و ہوس میں پھنسا ہوا ہے اور کہاں یہ ہمارے اہل تصوف کا طائفہ جو صبر و قناعت اور توکل سے عبارت ہے یہ ترقی پسند لوگ محبت کے لطیف جذبے سے کوسوں دور ہیں جبکہ یہ اہل تصوف عالمگیر محبت اور انسان دوستی کے جذبہ سے سرشار تھے۔

آج کے ترقی پسند طبقہ نے تہذیب کے پردہ میں غارت گری اور آدم کشی کا بازار گرم کیا ہوا ہے وہ آرائش و زیبائش کا سامان تو رکھتا ہے لیکن خود اس کا خوگر نہیں حالانکہ سب کچھ رکھنے سے خود' کچھ ہونا بہتر ہوتا ہے۔ آج کا انسان ظاہری حسن پر فدا ہے۔ اور صوفیا اس حسن کے متلاشی تھے۔

دور ہو جاتی ہے ادراک کی خامی جس سے
عقل کرتی ہے تاثر کی غلامی جس سے

(اقبالؒ)

صوفیاء ابتداء میں خوبصورت چیزوں کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ پھر خوبصورت اعمال کی طرف بڑھتے ہیں اور پھر ترقی کرتے ہوئے خوبصورت تصور کی طرف آتے ہیں۔ اور پھر حسن و جمال کے اس سرچشمہ میں ڈوب جاتے ہیں جہاں سے سورج کو روشنی اور پھول کو رنگت ملتی ہے۔ اصل میں تصوف فکر و عمل کے انداز لطیف کا نام ہے اور اہل تصوف تقویٰ و طہارت کے پیکر ہوتے ہیں۔

اب باری ہے جہلم کے ان روحانی بزرگوں سے تعارف کی جو باطنی سائنس میں ماہر تھے۔

حضرت سلمان پارسؒ

تاریخ گرجھاکھ کے مصنف نے بغیر کسی تاریخی حوالہ کے لکھا ہے کہ آپ حضور نبی اکرمؐ کے صحابی تھے۔ اور بغرض اشاعت اسلام ہندوپاک میں تشریف لائے تھے۔

جہلم کے روشن ضمیر بزرگ راجہ محمد اکرم کے مطابق اعوان شریف کے حضرت سلطان محمودؒ اپنے زمانے میں حضرت سلمان پارسؒ کے مزار پر آکر جاروب کشی کرتے تھے۔ اور روزانہ دریا سے پانی لاکر آپ کے مزار اقدس کو غسل دیا کرتے تھے۔

مولوی عبدالمجید ملنگ مرحوم اکثر کہا کرتے تھے۔ کہ وارث شاہؒ نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف "ہیر رانجھا" میں نائیوں کے ضمن میں جس پیر کا ذکر کیا ہے۔ وہ حضرت سلیمان پارسؒ ہی ہیں۔

جہلم کے کچھ اور بزرگوں کا ان کے متعلق یہ نظریہ ہے کہ آپ مغل فرمانروا نصیرالدین ہمایوں کے لشکر کے ہمراہ اس وقت جہلم میں تشریف لائے جب وہ ایران سے ہندوستان لوٹا تھا۔ اور اس نظریہ سے مجھے بھی اتفاق ہے حضرت سلیمان پارسؒ کا عرس یا میلہ دیسی مہینہ ساون کی آخری جمعرات کو ہوتا ہے۔ اس میلے کا شمار صوبہ پنجاب کے مشہور میلوں میں ہوتا ہے۔ کچھ عقیدت مند قرآن خوانی اور فاتحہ پڑھنے میں مصروف ہوتے ہیں۔ لیکن کچھ ملنگ قسم کے لوگ ٹولیاں بنا کر بیٹھ جاتے ہیں اور حقے کا ایک لمبا سا کش لے کر مستانہ لے میں کہتے ہیں۔

مارا جو دم چلم سے شرارے نکل پڑے
اک برج آتشیں سے ستارے نکل پڑے

حضرت سلمان پارسؒ کے مزار پر عوام اپنی عقیدت کا اظہار چاہے جس انداز سے بھی کرتے ہوں، سردست اس بحث نہیں لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ آپ کے مزار پر ہر دور میں اہل اللہ حاضری دیتے رہے ہیں۔ اور وہ آپ کو جہلم کا نگران گردانتے تھے۔ آپ کا مرقدِ پُرنور دریائے جہلم کے مغربی کنارے پر لب دریا واقع ہے۔ اب آپ کے مزار کے قریب ہی سٹیڈیم بھی بن رہا ہے۔

حضرت خاکی شاہؒ

آپ کا مزار بھی دریا کے مغربی کنارے پر مسجد ملاحاں کے قریب واقع ہے آپ سے عوام بڑی کرامتیں منسوب کرتے ہیں۔

حضرت کرم شاہ بخاریؒ

آپ بھی دریائے جہلم کے مغربی کنارے پر آرام فرما رہے ہیں۔
آپ کے متعلق راجہ محمد اکرم صاحب اور آغا محمد یونس صاحب' سائیں سردار علی اور ان کے علاوہ اور بھی کئی بزرگ کہتے ہیں کہ آپ احمد شاہ ابدالی کے لشکر میں ایک افسر تھے۔ اور صاحب کرامت بزرگ تھے۔

حضرت میراں حیدر علی شاہؒ ٹاہلیاں والا جہلم

حضرت میراں حیدر علی شاہؒ' احمد شاہ ابدالی کے دور میں جہلم کے قطب تھے آپ نے براہ راست حضرت علیؓ سے باطنی فیض پایا تھا۔ احمد شاہ ابدالی جب سکھوں کی سرکوبی کے لئے پنجاب اور ہند پر حملہ آور ہوا تو وہ پہلے حضرت میراں حیدر علی شاہ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا تھا۔ جناب محمد فاضل عارف اپنی تصنیف "بحرالفیض حیدری" میں لکھتے ہیں۔

بادشاہ اک ہویا ہے سی اندر کابل بھائی
نام اس نادر شاہ کہایا اس دی ہے سی شاہی
اس دااک وزیر ہو یا سی احمد شاہ ابدالی
میراں حیدر پاسوں اس نے پایا فیض کمالی
میراں حیدر شاہ دا درجہ وچ شمار نہ آوے
پنج سو کوہ تک میراں حیدرؒ اپنا قدم ٹکاوے

آپ کا عرس اور میلہ دیسی مہینہ اساڑھ کی پہلی جمعرات کو ہوتا ہے۔ یہ میلہ اس علاقے کا مشہور میلہ ہے

حضرت پیرا شاہ غازی قلندر

آپ کا مزار کھڑی شریف (آزاد کشمیر) میں ہے۔ لیکن آپ نے فقیرانہ ریاضت شہر جہلم سے تقریباً گیارہ میل کے فاصلے پر "دینہ" کے قریب سکنہ بوڑھا جنگل میں کی تھی آپ خالصہ راج کے دوران بوڑھا جنگل میں بیٹھ کر ایک طویل عرصہ تک عوام کو روحانی فیض پہنچاتے رہے۔

آپ نے وفات سے کچھ دن پیشتر اپنے مرید بابا دین محمد سے فرمایا تھا کہ اگر میرا مزار بوڑھا جنگل میں تعمیر کرو گے تو شاہان دہلی بھی حاضری دیں گے اور حلوہ پلاؤ کھاؤ گے اور اگر چک ٹھاکرہ یعنی کھڑی شریف میں بنواؤ گے تو دال روٹی ملے گی۔ آپ کے مریدوں نے حلوے کا لالچ چھوڑ کر دال پر قناعت کی اور آپ کا مزار کھڑی شریف میں تعمیر کیا۔

آپ کا روزانہ چڑھاوا سوا لاکھ دمڑی مشہور ہے۔ آزاد کشمیر، ضلع گجرات اور ضلع جہلم میں آپ کے بے شمار عقیدت مند پائے جاتے ہیں آپ جلالی شان کے بزرگ تھے "سیف الملوک" کے خالق میاں محمد صاحبؒ نے آپ سے روحانی فیض حاصل کیا تھا۔ آپ کی سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ آپ نے سرزمین پنجاب کو میاں محمدؒ جیسا عظیم شاعر بخشا۔ چنانچہ میاں محمد صاحب فرماتے ہیں۔

احمد یار خضر تھیں پائی سبزی باغ سخن دی
مینوں پیر میرے نے بخشی عجب بہار چمن دی

بوستان قلندری میں ٹھیکیدار محمد مرحوم جہلمی لکھتے ہیں

ثنا خواں ان کا ہر اک ولی کامل زمانے کا
ملک بے چارہ بھی ہے مدح خواں غازی قلندر کا

ملک محمد صاحب نے "بوستان قلندری" میں آپ کی بے شمار کرامتوں کا تذکرہ

کیا ہے آپ کے متعلق میاں محمد صاحبؒ کا یہ عقیدہ تھا

پیر جے میرا دمڑی والا پیرا شاہ قلندر

ہر مشکل وچ مدد کرینداں دوہاں جہاناں اندر

آپ ۱۲۶۴ھ میں چوروں کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے۔ آپ سلسلہ قادریہ کے مشہور بزرگ حضرت محمد امیر بالاؒ کے مرید تھے۔ آپ کا روحانی شجرہ حسب ذیل ہے۔

پیرا شاہ غازی قلندر، حضرت سید محمد امیر بالاؒ، حضرت محمد مقیم شاہ، حضرت سخی جمال اللہ، حضرت عبدالواحد اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی۔ آپ کا عرس مبارک کھڑی شریف آزاد کشمیر میں شب برات کی مبارک رات کو ہوتا ہے۔

حضرت امام بری لطیفؒ

آپ حضرت پیرا شاہ قلندر کے پیر بھائی تھے۔ اگرچہ آپ کا مزار پرانوار، نور پور (اسلام آباد) میں بنا ہوا ہے لیکن آپ کی پیدائش سکنہ کرسال "ضلع جہلم" میں ہوئی تھی۔ اس لئے آپ کا شمار بھی جہلم ہی کے ولیوں میں ہوتا ہے۔ آپ اتنی بلند شان کے مالک ہیں کہ عوام آپ کو بری امام یعنی خشکی کا امام سمجھتے ہیں اور یہ فخر جہلم ہی کو حاصل ہے۔

حضرت پیر عظمت علی شاہ کالا گجراں۔ جہلم

حضرت پیر عظمت علیؒ سکھوں کے عہد میں کشمیر سے کالا گجراں میں تشریف لائے آپ کا مغربی محلہ کے چھپڑ کے کنارے رانی کسرا کور کے محل "اٹاری" کے قریب ہے۔ رانی کا یہ محل اب گرلز ہائی سکول میں تبدیل ہو گیا ہے۔

پیر عظمت علیؒ بڑے صاحب کرامت بزرگ ہوئے ہیں۔ کالا گجراں کے مشہور ڈاکٹر پرس رام کی والدہ کہا کرتی تھیں۔ کہ شاہ صاحب کے مزار پر حاضری دینے سے

مقبول حسین بھٹی جناب اسلام ساقی سفیر پاکستان جناب جے جے
خراس کے ساتھ ۱۹۷۲ء گلیڈ سکے کلب ڈنمارک ۔

Scanned with CamScanner

میری ان گنت مرادیں پوری ہوئی ہیں۔ محمد عظیم گھڑی ساز' مولوی فیاض محمود اور پہلوان محمد عظیم کہتے ہیں کہ ہم نے بابا صاحب کے مزار پر حاضری دینے سے بہت کچھ پایا ہے بابا صاحب کا عرس اور میلہ اساڑھ کی دوسری جمعرات کو ہوتا ہے۔

ضلع جہلم کے سکّے اور مجسّمے

ملکی حالات و واقعات کے سلسلے میں سکے اور مجسمے اتنی اہمیت نہیں رکھتے جس اہمیت کے حامل اس ملک کے کھنڈرات ہوتے ہیں۔ کیونکہ سکے اور مجسمے باآسانی ایک شہر سے دوسرے شہر میں منتقل ہو سکتے ہیں۔

ضلع جہلم سے برآمد ہونے والے اکثر سکے یونانی' باختری' کشمیری' بادشاہوں اور سینتھین راجاؤں سے تعلق رکھتے ہیں آج سے کچھ عرصہ پہلے کھوڑ (کوہستان نمک) کے مقام سے محکمہ آثار قدیمہ کی کھدائی کے دوران ایک سنگی کتبہ ملا جس پر "تورامن شاہی جولا" کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہاں بدھوؤں کا ایک سٹوپا تھا "تورامن" اور اس کے بیٹے "مہرگل" نے علاقے پر حکومت کی تھی۔ اس علاقہ سے ان کے عہد کے سکے بھی برآمد ہوئے تھے۔

سنگھوئی اور جلالپور سے محمد بن قاسم' محمد غوری' شہنشاہ التمش اور جلال الدین خوارزم کے زمانے کے سکے دستیاب ہوئے تھے۔ ملوٹ کے مقام سے جنرل ایبٹ کو سکندر کا مجسمہ بھی ملا تھا۔ جہلم شہر کے تاریخی ٹیلے سے ریلوے لائن کی کھدائی کے موقع پر یونانی طرز کی تپائیاں ' کشمیری برہمنوں کے راج کے چھ تاریخی نوادرات اور چندرگپت موریہ کے عہد کا ایک سنگی ستون بھی برآمد ہوا تھا۔ اور بقول مصنف تاریخ گھر جاک' دلاور' جلالپور اور سنگھوئی سے سکندر کے زمانے کے بے شمار سکے دستیاب

ہوئے تھے کالا گجراں رانی سداکور کے محل اٹاری کے کھنڈروں سے محکمہ آثار قدیمہ کو ایک سنگی ستون ملا تھا۔ جو غالباً چندر گپت موریہ کے دور سے تعلق رکھتا تھا۔

سکوں کے متعلق مولانا فیروز دین مرحوم نے اپنی تصنیف "جہاد زندگی" میں بڑی دلچسپ معلومات فراہم کی ہیں۔ آپ لکھتے ہیں۔

پنجاب میں نانک شاہی روپے اور پیسے چلتے تھے۔ جو سکھوں کی یادگار تھے نانک شاہی روپے کے ایک طرف یہ سجع درج تھا۔

دیگ و تیغ و فتح و نصرت بے درنگ

یافت ازنانک گوروگوبند سنگھ

انگریزی روپے کو ضرب چہرہ شاہی کہتے تھے۔ اس پر ایک طرف ملکہ وکٹوریہ کی تصویر اور دوسری طرف سکے کی قیمت درج ہوتی تھی۔ مغلوں کے عہد میں اکبر شاہی اور عالم گیری روپے بہت ملتے تھے۔ ان کے ایک طرف بادشاہ وقت کا کوئی سجع درج ہوتا تھا۔ اور دوسری طرف کلمہ طیبہ۔

مغلیہ دور کے سکے انگریزوں کے دور میں بھی اچھی قیمت پر چلتے رہے۔ رفتہ رفتہ ان کی قیمت چہرہ شاہی روپے سے بھی بڑھ گئی کیونکہ چاندی اور سونا خالص تھا۔

ملکہ وکٹوریہ کے روپے میں ۳/۴ ماشہ کی ملاوٹ ہوا کرتی تھی۔ اور باقی خالص چاندی ہوتی تھی۔ ایڈورڈ ہفتم کے زمانہ میں گیارہ ماشے چاندی اور ایک ماشہ ملاوٹ ہوتی تھی۔ اور اب تو روپے میں ملاوٹ ہی ملاوٹ ہے۔

جہلم کی ادبی شخصیتیں

جہلم صرف جیالوں کی بستی نہیں بلکہ یہ علم و ادب کی سرزمین بھی ہے۔ جہلم میں سب سے پہلے علم و ادب کی آواز "ٹلہ جوگیاں" کی چوٹی سے بلند ہوئی۔ یہ آواز گورو گورکھ ناتھ کی تھی۔ جن کے عروج کا زمانہ راجہ بکرماجیت کا عہد ہے ناتھ جوگیوں میں اکثر و بیشتر جوگی اعلیٰ پایہ کے شاعر ہوئے ہیں۔

ماضی قریب میں کالا گجراں (جہلم) کے مہتہ شام داس چھبڑ جو کہ "موہیال گزٹ" کے مالک و مدیر تھے ان کے دادا "سکھانند" خالصہ راج میں فارسی اور گورمکھی زبان کے مصنف "آنجہانی مہکراج" شرع پور جہلم کی "آئینہ فیروز" لونڈ پور (شمس پور) کے میاں نور عالم اور مستری محلہ جہلم کے ٹھیکیدار محمد مرحوم۔ ادبی محاذ پر سرگرم عمل نظر آتے ہیں۔ ان کے بعد ٹاہلیانوالہ جہلم کے محمد فاضل عارف، بیگم عبدالقادر، مولوی محمد اعظم، خادم حیدری، مہر عبدالرحیم جوہر جہلمی، بابو رام جوایا خنداں، سراج الدین ظفر حسن رہتاسی، کالا گجراں کے منشی اللہ دتہ چوہان، ماسٹر غلام حسین کھٹانہ، مہتہ مسکین چند مالک سنگھ دلبر، درشن سنگھ آوارہ، گیان سنگھ بہی، قربان حسین شہید ذکاء اللہ بسمل، جوگی جہلمی اور چک عبدالخالق جہلم کا دور آتا ہے قیام پاکستان سے پہلے جہلم شہر میں "بزم ادب" کے نام سے ایک ادبی انجمن قائم تھی۔

اس انجمن کے صدر لال چندر باری اور سیکرٹری ہری چندر ہری تھے اس انجمن کے قیام سے چند ماہ بعد نواب اعتزاز الدین مرحوم نے بزم سروش کی بنیاد رکھی اس بزم کے سیکرٹری ہفت روزہ "زندگی" کے ایڈیٹر خادم حسین حیدری تھے پاکستان بننے کے بعد شہر جہلم میں علم و ادب کو خاصا فروغ حاصل ہوا۔ اس دور میں مولانا اعظم خواجہ عباد اللہ اختر، کرامت اللہ قمر، جوہر لکھنوی، ثریا جبیں ناہید، کیف جمالی، محترمہ نشاط

بخاری، مرزا عبدالغفور عابد مجیدی، مومن علی حیدری، مرزا طالب گورگانی، ڈاکٹر عبدالخالق، پروفیسر بنیاد نقوی، پروفیسر حسن عسکری، پروفیسر غلام کبریا راحل، اقبال کوثر اختر ضیائی، امداد حسین ہمدانی، انجم خیالی تنویر سپرا، صادق شمیم سدوزئی، ماسٹر مالک نصیر زاہد حسین انجم، پروفیسر یوسف حسن، پروفیسر طرب صدیقی، شہزاد قمر، جابر آزاد، بسمل صحرائی، یوسف جہلمی، مسرت ہاشمی، جاوید احساس، شیخ مختار جاوید، دول جہلمی اور عزیز دہلوی کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

عظمت رفتہ

اگر پاکستان کے محکمہ آثار قدیمہ کے ارباب جہلم کے تاریخی مقامات اور آثار قدیمہ کی طرف خصوصی توجہ دیتے تو یہ امرقرین قیاس تھا کہ سرزمین جہلم اپنی قدامت و عظمت کے اعتبار سے موہنجودارو اور ٹیکسلا سے بھی زیادہ قدیم و عظیم ثابت ہوتی۔ ماہنامہ ''معلومات'' لاہور شمارہ نمبر۵ میں لکھا ہے کہ مشہور مستشرق ''میکس ملر'' کا خیال ہے کہ آریائی مذہب کی پہلی کتاب ''رگ وید'' اس دور کی تالیف ہے جب وہ پنجاب (جس میں جہلم بھی شامل ہے بلکہ قصر پنجاب کا پہلا در ہی جہلم ہے) کی وسعتوں میں آباد ہو چکی تھی۔ پنجاب کے پانچوں دریاؤں کے نام ''رگ وید'' میں موجود ہیں۔ مثلاً دریائے جہلم کو ستہ، چناب کو اسکنی، راوی کو پارشی، اور ارانی، بیاس کو ویپاک اور ستلج کو کندری شاردو کہا گیا ہے۔

روزنامہ ''نوائے وقت'' راولپنڈی مورخہ ۲۵ نومبر۱۹۸۱ میں جناب پروفیسر کرم حیدری بعنوان ''پھوٹوار زمانہ قبل از تاریخ'' میں لکھتے ہیں۔ کہ جدید ترین طبقاتی تحقیقات کی رو سے دریائے سواں (علاقہ پوٹھوہار ضلع جہلم) کی وادی سے ایسے ڈھانچے برآمد ہوئے ہیں جن کی قدامت دس ہزار سال سے بھی زیادہ متعین کی گئی ہے۔ ۱۹۲۸ء میں جیولاجیکل سروے آف انڈیا کے سربراہ مسٹر ڈی این کو دریائے سواں کے کنارے

سے پتھر کے زمانے کے اوزار ملے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان اوزاروں کا زمانہ قدیم حجری دور ہے۔ اس لئے گمان غالب ہے کہ قدیم آرین قوم کی پہلی جولا نگاہ پوٹھوہار ضلع جہلم تھی۔ نیز ضلع جہلم کے گزیٹر مطبوعہ ۸۴-۱۸۸۳ء میں لکھا ہے کہ دلوال ضلع جہلم کے قریب میجر ایبٹ کو دیوتاؤں کے بادشاہ ایمن Jupiter Ammon کا مجسمہ ملا تھا۔ اور دیوتاؤں کا بادشاہ ایمن سکندر رومی سے کئی ہزار سال پہلے ہوا ہے۔ ہفت روزہ ''آواز'' جہلم میں جناب قاضی غلام نبی صاحب رقم طراز ہیں کہ سنگھوئی اور داراپور (ضلع جہلم) کے مقام سے سکندر رومی اور اس کے عہد سے پہلے داراب شاہ ایرانی' سیتھین قوم اور قدیم کشمیری پنڈتوں کے زمانے کے سکے برآمد ہوئے تھے۔ ان تاریخی شواہد کی روشنی میں جہلم دنیا کی قدیم ترین وادی معلوم ہوتی ہے۔

تاریخی مقامات

کٹاس

کٹاس کا مقدس چشمہ جوالا مکھی سے دوسرے نمبر پر ہے جو پنجاب میں یاتریوں کے آنے کی سب سے بڑی جگہ ہے۔ برہمنی کہانی بتاتی ہے کہ شوجی مہاراج اپنی بیوی ستی جو کہ "دکشا" کی بیٹی تھی، کی موت پر اس قدر غمزدہ ہوئے کہ انہوں نے رو رو کر اپنی آنکھوں سے آنسوؤں کے دریا بہا دیئے اور وہ اس قدر روئے کہ آنکھیں آنسوؤں میں تحلیل ہو گئیں ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جو بارش برسی اس سے معجزانہ طور پر دو مقدس چشمے معرض وجود میں آ گئے۔ ایک "پشکارا" یا پوخار جو اجمیر شہر واقع بھارت کے نزدیک ہے اور دوسرا کٹا کشایا کٹاس جو سندھ ساگر دوآبہ میں ہے۔ کٹا کشا کے لفظی معنی ہیں برستی آنکھیں "گویا کٹاس کا چشمہ ہندوؤں کے اوتار "شوجی" مہاراج کی برستی ہوئی یا روتی ہوئی آنکھیں ہیں یہ تالاب جزوی طور پر خود ساختہ ہے چٹان کو رستے سے کاٹ دیا گیا ہے تاکہ اس کا پانی نالہ "گنیا" کی سطح تک جا سکے۔ تالاب کے بالکل اوپر معماروں کی بنائی ہوئی مضبوط دیوار ہے جو ۲.۵ فٹ چوڑی اور ۱۹ فٹ لمبی ہے یہ دیوار نالہ کو روک کر بڑا تالاب بنانے کی غرض سے تعمیر کی گئی تھی۔ لیکن اب اس کے صرف زمینی آثار باقی ہیں۔ دیوار منہدم ہو چکی ہے اور پانی ٹوٹی پھوٹی چٹانوں اور اس برباد شدہ بند میں غائب ہو جاتا ہے کٹاس کے برہمن جن کے ہاتھوں میں کٹاس کا انتظام تھا کہتے تھے کہ یہ بند دہلی کے کسی راجہ کے دیوان یا وزیر نے نالے کا پانی، کٹا کشا کے مقدس تالاب سے دور رکھنے کے لئے بنوایا تھا۔ وہاں واقعی چٹان میں کٹا ہوا ایک سلسلہ یعنی پانی کا رستہ موجود ہے جو ۱۲۲ فٹ لمبا ہے قیاس ہے کہ یہ پانی کو تالاب سے نیچے گزار دیتا ہو گا۔ لیکن چونکہ خود تالاب کے اندر چشمے موجود ہیں لہٰذا یہ بات

زیادہ قرین قیاس ہے کہ بند اس لئے بنوایا گیا تھا کہ پانی کو روک کر آب پاشی کا کام لیا جائے۔ پانی کا یہ مصنوعی رستہ دراصل سرنگ کی شکل میں تھا۔ جس کی چھت تو گر چکی ہے۔ لیکن چٹان اب بھی دونوں طرف کھڑی ہے۔

تالاب کسی خاص طرز یا ڈھب کا بنا ہوا نہیں ہے۔ لیکن یہ کہا جاتا ہے کہ اس کی لمبائی ۲۰۰ فٹ اور انتہائی چوڑائی ۱۵۰ فٹ ہے جو کہ بالائی حصے کی ہے اور نچلی جانب سے تالاب ۹۰ فٹ چپٹا ہے۔ جہاں سے اسے ایک پتھر کے ذریعے روک دیا گیا ہے۔ جو چھ فٹ چوڑا ہے۔ یہاں سے پانی کے بہاؤ کے لئے تین چھوٹے چھوٹے رستے بنائے گئے ہیں۔ جو زیادہ بارش میں بالکل اس کے اوپر سے گزرتا ہے تالاب کا پانی نہایت صاف و شفاف ہے لیکن وہاں کی مقامی روایات یہ ہیں کہ اس میں "بو" مچھلیاں ہیں اور وہ سال کے سال مرجاتی ہیں۔

کٹاس سلسلہ کوہستان نمک کے شمال میں واقع ہے۔ پنڈدادنخان سے ۱۶ میل اور چکوال سے ۱۸ میل دور ہے۔ اور یہ سطح سمندر ہے۔ ۲۰۰۰ فٹ کی بلندی پر واقع ہے تالاب سے قریبا ۸۰۰ فٹ نیچے "نالہ گنیا" بہتا ہوا دو ہموار چوٹی والی پہاڑیوں کے درمیان سے گزرتا ہے لوگ کہتے ہیں کہ دو سو فٹ کی بلندی پر کسی زمانے میں ایک شہر آباد تھا۔ لیکن اب اس کے نشانات معدوم ہو چکے ہیں۔ اور مغربی پہاڑی "کوبڑا" کئی دیواریں' مینار اور اینٹوں کی بنی ہوئی عمارتوں کے کھنڈرات پائے جاتے ہیں۔ یہ سب پرانی طرز تعمیر کے ہیں ان کھنڈرات کو یہاں کے لوگ سادھو کا مکان کہتے ہیں۔ اینٹیں حجم کے لحاظ سے ۱۴.۵ X ۹.۵ X ۲.۵ انچ کی ہیں۔ پہاڑی کے شمالی حصہ کے درمیان میں بڑے راستے کی دیواریں دکھائی دیتی ہیں جو نیچے کی آبادی کی طرف جاتا ہے۔ اس کے انتہائی مشرق میں "ست گھرا" یعنی سات مندر ہیں اوپر والا قلعہ بارہ سو فٹ یا ۲۶' ۳۶۵ میٹر لمبا اور ۳۰۰ فٹ یا ۹۱۴۴ میٹر چوڑا ہے اور نیچے والا قلعہ ۸۰۰ فٹ یا ۲۴۳۸۴

میٹر لمبا اور ۴۵۰ فٹ ۱۶ء۱۳۷ میٹر چوڑا ہے۔ اور یہ تمام سلسلہ تقریبا ۳۵۰۰ فٹ یا ۱۰۶۶۸۰ میٹر یا ایک میل کے تین چوتھائی سے کم کے برابر ہے لیکن کٹاس کا سارا سلسلہ بشمول قصبہ کے کھنڈرات اور دونوں قلعے ملا کر تقریبا دو میل کا رقبہ بن جاتا ہے۔

ست گھرا' ست مندر

ضلع جہلم کے گزیٹئر مطبوعہ ۸۴-۱۸۸۲ میں لکھا ہے کہ یہ مندر پانڈوؤں کے شہزادوں نے اس وقت بنوائے تھے۔ جب انہیں کوروؤں کے شہزادوں نے بارہ سال کے لئے ملک سے نکال دیا تھا۔ پانڈو پھرتے پھراتے یہاں پہنچ گئے اور انہیں نے اس مقام پر بارہ سالہ قیام کے دوران یہ مندر تعمیر کروائے۔ یہ مندر ایک مجموعہ کی صورت میں پرانے قلعہ کے شمال مشرقی کونے میں ہیں۔ یہ مندر اپنی ساخت کے لحاظ سے کشمیر کے مندروں سے مشابہ ہیں۔ جو مستطیل نما ہیں ان کی محرابیں تکونی ستون چپٹے نوکیلے ہیں ان مندروں کی بناوٹ آخری کشمیری فن تعمیر (جو کر کوٹا اور وریا عہد حکومت میں ۶۲۵ء سے ۹۳۹ء تک مروّج تھا) سے ملتی ہے۔ اس لئے انہیں کشمیری عہد حکومت سے ہی منسوب کیا جا سکتا ہے۔ ان سات مندروں کے مشرق میں ایک بڑے تباہ شدہ مندر کا ڈھیر ہے جو ۶۸.۵ فٹ لمبے اور ۵۶.۵ فٹ چوڑے رقبہ میں پھیلا ہوا ہے اس مندر کے ملبہ سے وہاں کے رہنے والوں کو تین سروں اور چار بازوؤں والا مرد کا مجسمہ ملا ہے یہ مجسمہ سرخ پتھر کا بنا ہوا ہے۔ اور تین فٹ اونچا ہے تینوں سر مختلف شکل کے ہیں درمیان میں آدمی کا سر دائیں جانب سور کا اور بائیں جانب شیر کا سر ہے ہندو لوگ کہتے تھے کہ یہ مجسمہ وشنو کی یادگار ہے جو ایک ماورائی ہستی ہے۔ آدمی کا سر "وشنونریانہ" یعنی خالق کائنات کا ہے اور سور کا سر "وشنوورہا" یعنی کائنات کی حفاظت کرنے والا اور شیر کا سر "وشنونرشنگھا" یعنی تباہ کرنے والا کے معنی میں آتا ہے۔ اس مجسمے کے تین ہاتھوں میں ایک ایک پھول ہے۔ اور تیسرا آلتی پالتی مار کر بیٹھا ہوا ہے۔

مسٹر امن کٹاس کا حال یوں بیان کرتے ہیں۔ یہ ایک بڑے چوکور تالاب پر مشتمل ہے جو پہاڑیوں کے درمیان چشمہ سے بنا ہے۔ اس تالاب کے اردگرد ہندوؤں کی ایک چھوٹی سی آبادی ہے۔ برہمن اس کے متولی ہیں جو اکثر یاتریوں سے نذرانے حاصل کرنے کے لئے آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں۔ یہ تالاب "شوجی" کی آنکھوں سے منسوب ہے جو اس کی چہیتی بیوی کی موت پر روتی رہیں۔ دوسری آنکھیں اجمیر کے قریب اب بھی رو رہی ہیں جبکہ جنرل کننگھم کا خیال ہے کہ یہ بدھوں کا مقدس مقام ہے۔ اس کا پانی بہت اچھا ہے اور چوہا سیدن شاہ کے پورے علاقے کو سیراب کرتا ہے۔ کٹاس ایک انتہائی دل کش اور دلفریب مقام ہے اس کا شمار ضلع جہلم کے خوب صورت مقامات میں ہوتا ہے۔ کٹاس میں ایک بہت بڑا میلہ موسم بہار کے اختتام اور موسم گرما کے شروع ہونے سے پہلے لگتا ہے۔

ملوٹ

کٹاس کے تالاب کے جنوب مشرق میں بارہ میل ۱۹ء۵ کلو میٹر کے فاصلہ پر ملوٹ کا گاؤں ہے۔ جو کہ راجہ "مل" کا قدیم دار الحکومت تھا۔ راجہ مل جنجوعہ خاندان کا جدامجد ہے اور اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ مہابھارت کی عظیم شخصیتوں کا ہم عصر تھا۔ یا ان کا خلف یہاں پر ایک بہت خوبصورت مندر ہے جس کے متعلق عام روایات یہ ہیں کہ یہ کٹاس کے مندروں سے زیادہ پرانا ہے۔

"مسٹر تھامسن" بیان کرتا ہے کہ بلاشبہ اس مندر کی عمارت کی ساخت یونانی طرز کی ہے لیکن نقاشی اور مجسمہ سازی صریحا اور غیر متفقہ طور پر ہندوانہ ہے۔ اس کی جائے وقوع بہت زیادہ قابل غور ہے۔ یہ سلسلہ کوہ کے بلند ترین ٹیلوں کے کناروں پر واقع ہے اور عام لائن سے ذرا ہٹ کر ہے یہاں کے وسیع مناظر میں سے جہلم چناب

اور ممکنہ حد تک راوی اور ساتھ ساتھ شاہ پور میں کوہ کرانہ مرکزی طور پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ ملوٹ جنجوعہ خاندان کا آبائی گاؤں ہے۔ پہاڑ کو رنجیت سنگھ کے باپ نے قلعہ کا تاج پہنایا تھا۔ جنرل کننگھم ملوٹ اور خاندان "ہن سنگ" کے سنگھا پورا کو ایک ہی خیال کرتا ہے۔ جو کہ سلسلہ کوہستان نمک کا پرانا دارالحکومت تھا۔

سب گنگا

ملوٹ سے تین میل یا پانچ کلو میٹر سے کچھ کم فاصلہ پر دلوال کے قریب سب گنگا کے مقام پر بدھ مت کا ایک پگوڈا (معبد) ہے یہ سرخ بھر بھرے پتھر کی عمارت ہے اس میں سہارے کے ساتھ کھڑی محرابیں ہیں مصری فن تعمیر کا نمونہ ہیں۔ اور ان پر جانوروں کی شکلیں کندہ ہیں۔ یہاں بھی کٹاس سے ملتا جلتا ندی کی گزرگاہ میں ایک چھوٹا سا تالاب بنا ہوا ہے۔ اس مقام پر "میجر ایبٹ" کو سکندر اعظم کے سر کا مجسمہ ملا تھا۔ لیکن وہاں کے مقامی باشندے اسے دیوتاؤں کے بادشاہ ایمن کے سر کا مجسمہ خیال کرتے تھے۔

بھاگاں والا

قدرے آگے مشرق کی طرف سلسلہ نمک کے دامن میں جلالپور سے شمال مغرب میں گیارہ میل تقریباً ۱۸ کلو میٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہاں ایک چوٹی پر بدھ مت کا تباہ شدہ پگوڈا (معبد) ہے۔ اس کے نزدیک اور کھنڈرات بھی ہیں۔ جن کے متعلق کسی کو علم نہیں۔

سلسلہ کوہستان نمک میں آثار قدیمہ کے ماہروں کی دلچسپی کی اور جگہیں بھی ہیں ان ہی آثار میں سے جلالپور کے اوپر قدیم شہر گر جھاک کے کھنڈرات میں جو کسی وقت جنجوعہ خاندان کا مضبوط مرکز تھا اور "مکھیالہ" کا عظیم شہر اور قلعہ کے کھنڈرات

جس کی بنیاد وَیر WIR نے رکھی تھی۔ جو جنجوعہ خاندان کا جدامجد تھا۔

یہ شہراس کے اخلاف کا دارالحکومت تھا۔ اس کے علاوہ عمودی پہاڑی کی چوٹی پر تاج کی طرح بنے ہوئے کساک KASAK کے قلعہ کے کھنڈرات ہیں' جہاں رنجیت سنگھ نے جنجوعہ خاندان کے آخری سردار کا چھ ماہ تک محاصرہ کئے رکھا۔ یہاں تک کہ وہ پانی کی ضرورت کی وجہ سے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

منگلا

ایک قدیم و عظیم تاریخی مقام ہے اور اسے وادی جہلم سے بہت ہی قریبی تعلق ہے۔ اور یہ وادی جہلم کی عظمت رفتہ اور شان حال کی ترجمان ہے برہمنی کہانیوں کی رُو سے سکندر اعظم کے حملہ سے بہت مدت پہلے دریائے جہلم کے کنارے منگلا پہاڑی پر "مائی منگلا دیوی" کا ایک شاندار مندر تھا یہ منگلا دیوی ہندوؤں کے نزدیک ایک ماؤرائی ہستی تھی۔ لیکن بعض کا خیال ہے کہ منگلا دیوی راجہ پورس کی خوب صورت اور نیک سیرت دختر تھی۔ جس نے اپنے کندن جیسے دمکتے بدن پر راکھ ملی ہوئی تھی اور وہ گیان دھیان میں مست رہتی تھی۔

جوگ اور جوت کا چولاتن پر روپ میں ڈوبے نین
بولے تو آواز کا جادو' لوٹ لے من کا چین

اس سندر صورت جوگن کے رسیلے گیتوں اور پریم بھری تانوں نے ہزاروں خرد مندوں کو پاگل اور ہزاروں دنیا داروں کو فقیر بنا دیا تھا۔ اور اس کے چرنوں کو چھونے کے لئے دور دور سے راجے مہاراجے آیا کرتے تھے۔ اور قرب و جوار کے لوگ اس کا درشن پانے' نذرانے چڑھانے اور مرادیں مانگنے کے لئے صبح سویرے ہی ٹولیوں کی صورت میں اس کی چوکھٹ پر آبیٹھتے تھے۔

اس زمانے میں منگلا دیوی کے مندر میں آٹھوں پہر پجاریوں کا ہجوم رہتا تھا۔

رفتہ رفتہ راجہ پورس کی نیک چلن بیٹی ایک ماورائی ہستی بن گئی۔ منگلا ماضی میں بھی خاص و عام کی نظروں کا مرکز تھا اور آج بھی ہے۔ ماضی میں وہ ایک مذہبی اور روحانی استھان تھا اور آج انسانوں کی مادی ضرورتوں کو پورا کرنے کا ایک سرچشمہ۔

۱۹۶۰ء میں جہلم اور اس کے قرب و جوار میں بسنے والے جیالوں نے اپنے فولادی پنجوں اور اپنی کوہ شکن ضربوں سے منگلا کے پہاڑی علاقے کو ایک مرمریں آبشار کی شکل میں جہلم کی چھاتی پر گرا کر لوگوں کو دکھا دیا کہ

مردیوں مہریں لگاتے ہیں جبینِ وقت پر

منگلا پاکستان میں سب سے خوب صورت مرمریں آبی ذخیرہ' دلکش اور خوشنما جھیل' حسین و جمیل وادی' مچھلیاں پکڑنے کی شکار گاہ اور سیروسیاحت کا ایک پُر فضا مقام ہے۔ منگلا بند دنیا کا دوسرا بڑا بند ہے۔ یہ تقریباً تین ارب بیس کروڑ روپے کی لاگت سے ۱۹۶۸ء میں تعمیر ہوا تھا۔

منگلا بند دریائے جہلم پر منگلا کے مقام پر بنا ہوا ہے۔ اس کی تعمیر کے دوران ۱۵ ہزار پاکستانی اور سات سو غیر ملکی ماہرین اور کارکن شب و روز کام کرتے رہے تھے۔

اس بند کے ذریعے دریائے جہلم کے سیلابوں پر بھی اب قابو پا لیا گیا ہے۔ اس بند کے نو دروازے ہیں اور یہ گیارہ سو فٹ لمبا' تین سو اسی فٹ چوڑا اور چار سو پچیس فٹ اُونچا ہے۔ یہ بند اسی برس تک کام دے سکتا ہے۔

منگلا ڈیم سے روزانہ آٹھ سو کلو واٹ بجلی پیدا کی جاتی ہے۔ اس میں دس سرنگیں ہیں اور ایک وقت میں نو لاکھ کیوسک فٹ پانی نکالا جا سکتا ہے۔ اور اس میں پچپن لاکھ اور پچاس ہزار مکعب فٹ پانی جمع رہتا ہے۔ اور زائد پانی ایک سوراخ (سپل وے) کے ذریعے خارج ہو جاتا ہے۔ اس کا پانی آبپاشی اور بجلی پیدا کرنے کے کام آتا ہے اور ماہی گیری کی صنعت کو فروغ دے کر اس کی مچھلیوں سے غذائی قلت بھی دور

کی جا سکتی ہے۔ اس بند پر سات لاکھ اسی ہزار مکعب گز مٹی ، گارا، چٹانیں اور کنکریٹ استعمال ہوا ہے۔ بند کے بائیں سرے پر تیس فٹ چوڑی پانچ سرنگیں بنی ہوتی ہے۔ ہر سرنگ دو ہزار فٹ لمبی ہے۔ ایک سرنگ ایک لاکھ کلو واٹ قوت کے ڈوجنریٹر چلا سکتی ہے۔ دائیں سرے پر نکاسی دروازہ ہے یہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے دنیا کا سب سے بڑا دروازہ ہے یہ نو آہنی دروازوں پر مشتمل ہے جن میں یہاں کے تاریخی نوادرات رکھے ہوئے ہیں۔

کوہ بالناتھ (ٹلہ)

مورخین کا خیال ہے کہ آج سے تقریباً چار ہزار سال پہلے آریہ قوم ترکستان سے کوہ ہمالیہ کے شمالی اور مغربی دروں کی راہ سے پنجاب میں وارد ہوئی تھی اور چونکہ قصر پنجاب کا پہلا در جہلم ہے۔ اس لئے اکثر مورخین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ آرین قوم کی پہلی جولان گاہ وادئ جہلم تھی۔ اس قوم کی سب سے پہلی الہامی کتاب "رگ وید" کے بیشتر اشلوک اور منتر دریائے جہلم کے کنارے وادی جہلم سے لکھے گئے تھے۔ یہ قوم فطری مظاہر چاند، سورج اور ستاروں کو دیوتا مان کر ان کی پرستش کیا کرتی تھی۔ اس قوم کے مذہبی راہنماؤں نے سورج دیوتا کی پوجا کے لئے ٹلہ کو ایک موزوں مقام سمجھ کر منتخب کیا تھا۔ جو کہ موجودہ شہر جہلم سے تقریباً پچیس میل دور جنوب مغربی گوشہ میں واقع ہے۔ "آئین اکبری" میں ابو الفضل نے ٹلہ کو ہندوؤں کا ایک قدیم معبد قرار دیا ہے۔ اس قوم کے افراد ٹلہ کی بلند و بالا چوٹی پر بیٹھ کر سورج کی تپسیا کیا کرتے تھے۔ انہوں نے ٹلہ پر ایک کمیٹی بھی بنائی ہوئی تھی جو ٹلہ پر آنے والے پجاریوں کے کھانے پینے کا انتظام کیا کرتی تھی۔ اور چڑھاوے وصول کرنے کا حساب رکھتی تھی۔ اس کمیٹی کے سربراہ کو مہنت کہتے تھے۔

ٹلہ اگرچہ قدیم زمانے سے ہندوؤں کی ایک مقدس عبادت گاہ چلا آ رہا تھا لیکن اسے لازوال شہرت گوروگورکھ ناتھ اور ان سے صدیوں بعد آنے والے بالناتھ جوگی سے ۱۴۵۲ء بہلول لودھی کے عہد میں حاصل ہوئی۔ بہلول لودھی کے زمانہ میں ٹلہ کو "کوہ بالناتھ" کہا جاتا تھا۔ اور اس دور میں سرزمین پنجاب کا مشہور عاشق رانجھا جٹ ٹلے آ کر بالناتھ کا چیلہ بنا تھا۔ ٹلہ کے ناتھ جوگیوں کا سلسلہ بڑا وسیع ہے۔ اور ان جوگیوں نے یہاں کے تمدن پر بڑا گہرا اثر ڈالا ہے۔ نیز ان کی ابتداء کے بارے میں اکثر مورخین نے گہری تحقیق سے کام نہیں لیا۔ اور ان کا زمانہ ۸۵۰ء سے ۱۴۵۰ء تک لکھ مارا۔ اس لئے میں ان کا تذکرہ ذرا تفصیل سے کروں گا۔

دعا دیں گے مرے بعد آنے والے میری وحشت کو
بہت کانٹے نکل آئیں گے میرے ساتھ منزل کے

ناتھ جوگیوں کے سلسلہ کا آغاز شوجی مہارج (مہادیو) کے فیض سے ہوتا ہے۔ انہوں نے سب سے پہلے آدناتھ کو روحانی فیض بخشا۔ آدناتھ نے جلندھرناتھ اور مچھندرناتھ کو اپنا چیلہ بنا کر ناتھ جوگیوں کے سلسلے کو آگے بڑھایا۔ گورکھ ناتھ کے ان گنت چیلے ہوئے ہیں لیکن ان میں ہری بھرتری ناتھ اور چورنگی ناتھ تقریبا ۳۸۰ء سے ۴۳۰ء تک بڑے مشہور اور کامل ترین ناتھ تھے۔

زمانے کی حفاظت کرنے والے کو ناتھ کہا جاتا ہے۔ اسلامی تصوف میں اس کا ہم معنی لفظ "قطب" ہے لیکن نقشبندی مجددی سلسلہ والے اس محافظ کو "قیوم" کا خطاب دیتے ہیں ناتھ جوگیوں کی تعلیم اور رسوم و شعائر اگرچہ برہمنی اور لودھی تعلیم کے امتزاج کا مرقع ہیں لیکن اس مرقع کے خدوخال میں خود ناتھ جوگیوں نے بھی اپنی پسند کے کچھ رنگ بھرے ہیں تاکہ ان کی امتیازی شان قائم رہے۔ ناتھوں کے وسیع سلسلے میں آوناتھ، جلندھرناتھ، مچھندرناتھ، چرپٹ ناتھ، گورکھ ناتھ، چورنگی ناتھ، ہری بھرتری

ناتھ، گوپی چند ناتھ اور جگن ناتھ نو مشہور و معروف ناتھ ہو گزرے ہیں۔

گورکھ ناتھ نے راجپوتانہ کے مچھندر ناتھ سے جوگ لیا تھا۔ مچھندر ناتھ لنکا کے راجہ کے گرو تھے۔ اور گورکھ ناتھ نیپال کے راجہ کے۔ گورکھ ناتھ اپنے گرو کے حکم کے مطابق ٹلّے تشریف لے آئے تھے۔ یوں تو اس وقت سارا پنجاب آپ کو گورو مانتا تھا۔ لیکن ٹلّے پہنچ کر آپ نے اپنے مخصوص چیلے بنانے شروع کئے۔ جن میں حسب ذیل بارہ چیلے بہت ہی مشہور ہیں۔ ست ناتھ، رام ناتھ، ببرنگ ناتھ، دھرم ناتھ براگ ناتھ، دریا ناتھ، کیک ناتھ، گنگا ناتھ، ناگ ناتھ، جلندھر ناتھ، نیم ناتھ اور پارس ناتھ ان بارہ چیلوں کو گورکھ نے کہا کہ تم اپنا علیحدہ علیحدہ پنتھ یعنی سلسلہ جاری کرو۔ انہوں نے حکم کی تعمیل کی اوز اپنے اپنے چیلے بنانا شرع کر دیئے۔ اور یوں ناتھ جوگیوں کے بارہ نئے سلسلے ہندوپاک میں پھیل گئے۔

گورکھ ناتھ ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس لئے ان کا دل نچلے طبقے کے انسانوں کی محبت سے لبریز تھا اور وہ ظالم امیروں، راجوں اور مہاراجوں کے سخت خلاف تھا گورکھ ناتھ، ناتھ جوگیوں کے سلسلے کے بانی سمجھے جاتے ہیں۔ اور پنجابی زبان کے پہلے شاعر یعنی انہوں نے قدیم پنجابی یعنی سادھ بھاشا میں اپنے شبدھ لکھے ہیں۔ رام کلی، دھناسری اور کیدارنامی کتابیں ان کی تصانیف سمجھی جاتی ہیں ۔ گویا تقریباً چوتھی صدی عیسوی میں جوگ اور ادب کا پہلا سرچشمہ ٹلّہ جوگیاں (جہلم) سے پھوٹا تھا۔ اور جہلم کو صرف یہی فخر حاصل نہیں کہ وہ پنجاب میں ویدانت اور ادب کا پہلا مرکز ہے بلکہ اس زمانہ کے ہندو مذہب کی لوٹ کھسوٹ اور ہندو سامراج کی چیرہ دستیوں، برہمنوں کی ظالمانہ رسموں اور راجاؤں کے ظلم و ستم کے خلاف پہلی آواز بھی ٹلّہ کی چوٹیوں سے بلند ہوئی تھی۔ بقول موہن سنگھ دیوانہ (مصنف پنجابی ادب دی مختصر تاریخ) گورکھ ناتھ ایک گورو ہونے کے ساتھ ساتھ ایک انقلابی شاعر بھی تھے اور ان کی شاعری

ہندو مذہب کی جکڑ بندیوں ذات پات کے ظالمانہ رسومات اور برہمنوں کی لوٹ کھسوٹ کے خلاف ایک صدائے احتجاج تھی۔ انہوں نے شاعری کے ذریعے اولادِ آدم کو محبت و اخوّت، ایثار و سخاوت، امن و صلح، خدا پرستی اور انسان دوستی کا پیغام دیا تھا۔ شاید اسی لئے حکیمِ مشرقؒ نے فرمایا تھا۔

شکتی بھی ، شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
دھرتی کے باسیوں کی مُکتی پریت میں ہے

گورکھ ناتھ کا نمونہ کلام

کال کالے جو نرسی　　بالے جوبن جو نرجنی
پھرنے نے جویں الپ آہار　　کہے گورکھ وہے کا یاہمار
کھائے جرے سلونے جرے　　میٹھے اپچے روگ
کہے گورکھ تو ہسیو سدھو　　ان پانی والے جوگ
دام کاڑھ باگن لے آیا　　ماؤں کہنے میرا پوت بیاہیا
گیلی لکڑی کوں گھن لایا　　تن ڈال مول سن کھایا
بدھ بھاون تے بالک جمیا　　تاں کا روپ نہ لکھیا جائے
گورکھ کہے مچھندر پوتا　　جو کھوجے سو پائے

(ماہنامہ لہراں لاہور اگست ۱۹۴۷ء)

ناتھ جوگیوں کی ابتداء اور کچھ دیگر کوائف کو سمجھنے کے لئے پنجاب کے نامی گرامی شاعر وارث شاہ کے کچھ اشعار قارئین کی نذر کرتا ہوں

مہادیو تھیں جوگ دانتھ ٹُریا، بڑی کٹھن ہے جَوگ ہُم میاں
جہلم شہر تھیں جانب جنوب مغرب سفر میل پچیّں دادور ہے جی
ملک ہندو دا گدی نشین، ہر اک سرخم، گورکھ دے حضور ہے جی

فرقہ درشنی سنت جو گیشر اندا' آو استھان بے شک بالضرور ہے جی
"شنکراچاریہ" جیوں ہے جنم داتا' کوتا سنسکرت دیاں کو یشراں دا
جگ داتا گرویو اس طرح گورکھ "آوَ" کارن ہے پنتھ جوگیشراں دا
گورکھ ناتھ تھیں لے کلاناتھ توڑیں' ہوندے گرو سب روشن ضمیر آئے

ملے تدوں دی جے تواریخ کوئی' شجرہ نسب تاں اندر تحریر آئے

حضرت نور احمدؒ چشتی کی کتاب "تحقیقاتِ چشتیہ" کی پیش کردہ یہ سطور معلوماتی بھی ہیں دلچسپ و حیرت انگیز بھی۔

"گوروگورکھ ناتھ' احوال مفصل پنتھ جوگیاں جہاں سے جوگ نکلا۔ سب جوگی متفق ہیں کہ یہ پنتھ شوجی مہاراج کا ہے چونکہ وہ لڑکا (گورکھ ناتھ) بہ کرامت شیوجی مہاراج گوبر سے پیدا ہوا تھا۔ اس لئے شوجی نے اس کا نام گورکھ ناتھ رکھا" (صفحہ ۷۵۰)

احوال گورکھ ناتھ جوگیوں کے وضع کردہ عقائد کے مطابق

گورکھ ناتھ اودھر یعنی شوجی کی مورت اور انہیں کے بدن کی برکت سے پیدا ہوئے تھے۔ اگرچہ شوجی کے گیارہ اودھر ہیں مگر یہ آٹھ بہت مشہور ہیں۔ ایک گورکھ ناتھ' دوسرا بھیرو جو شکم کالی دیوی سے مہربانی شوجی پیدا ہوا۔ تیسرے ہنومان' چوتھے سام کارنگ یہ پاربتی کے شکم سے پیدا ہوئے۔ پانچویں دریا ستہ یہ کرژوم سے پیدا ہوئے۔ چھٹے رام دیو کسی رشی سے پیدا ہوئے ساتویں آپ شوجی مہاراج جو برہما کی مشک سے پیدا ہوئے (صفحہ ۷۵۱) گورکھ ناتھ کی بھینٹ سے راکھو نام مچھلی کے پیٹ سے بارہ سال بعد مچھندرناتھ پیدا ہوئے یہ نام شوجی نے رکھا اور گورکھ ناتھ سے کہا اسے اپنا گرو بنالو گورکھ ناتھ نے مچھندرناتھ کو اپنا گرو بنا لیا پھر دونوں الگ الگ تپسیا میں مصروف ہو گئے پھر گورکھ نے شوجی کے کہنے پر اپنے چیلے بنانے شرع کر دیئے اور شوجی نے

ایک کاہ دُبھ (لمبی گھاس) ان کے گلے میں ڈال دی اور کہا یہ تمہارا زنّار رہے ۔ اب جوگی لوگ اس رسم کو پورا کرنے کے لئے اُونی یا سوتی زنّار پہنتے ہیں۔ اس کے بعد شوجی نے آک کے درخت کی ایک چھوٹی سی لکڑی اکھاڑ کر فرمایا کہ اسے اپنے زنار سے باندھ لو اس کا نام ناؤ (کشتی) ہے۔ چنانچہ اب بھی جوگی لوگ اپنے زنار کے ساتھ ایک چوبی یا صندلی ناؤ یا شاخِ آہو باندھ رکھتے ہیں۔ اس کے بعد شوجی مہاراج کے حکم پر"پاربتی" نے اپنا زانو (گھٹنہ) چیر کر اس کے خون میں ایک کرتہ تر کر کے گورکھ ناتھ کو دیا اور کہا کہ تم ہمیشہ اس طرح کا سرخ لباس پہنا کرو۔ چنانچہ جوگی لوگ اب بھی گیروے کپڑے پہنتے ہیں پھر شوجی نے حکم دیا کہ ہندو مُردہ کو جلاتے ہیں۔ لیکن تم مردہ کو جلانے کی بجائے اسے قبر میں چار زانو بٹھا کر اس پر مڑھی بنا دیا کرو۔ یہ راہ و رسم بتلا کر انہوں نے گورکھ ناتھ کو رخصت کر دیا اور انہیں ٹلّے کی گدی سونپ دی۔

گورکھ ناتھ بڑے صاحب کمال شخص تھے۔ انہوں نے بے شمار استدراج دکھائے جوگی لوگ کہتے ہیں کہ وہ حیاتِ جاوداں پا گئے ہیں اور ہمیشہ شوجی کے ساتھ رہتے ہیں جو ان سے باطنی طور پر ارادت رکھے اسے اپنی زیارت سے بھی نوازتے ہیں۔ جوگیوں میں یہ رسم ہے کہ جب وہ آپس میں ملتے ہیں تو سلام یا نمستے کہنے کی بجائے دو دفعہ "آدیس آدیس" کہتے ہیں اور جب جوگی گدا کے لئے جاتے ہیں تو بطور سوال لفظ "الکھ الکھ" کہتے ہیں۔

گورکھ ناتھ کے بعد اب میں ٹلّہ کے دوسرے مشہور جوگی بالناتھ کی طرف آتا ہوں۔ گورکھ ناتھ کے بعد اور بالناتھ سے پہلے جتنے بھی ناتھ ہو گزرے ہیں ان کے نام اور حالات مجھے کسی کتاب سے دستیاب نہیں ہوئے۔ اس لئے مجبوراً نہیں نظر انداز کر کے میں بالناتھ کا تذکرہ کر رہا ہوں

بالناتھ جوگی بڑے صاحب کمال جوگی تھے۔ آپ کے زمانہ میں ٹلّہ کا نام کوہ

بالناتھ پڑ گیا تھا آپ کی روحانی قوت اور شہرت کے ڈنکے ٹلہ کی پہاڑیوں سے لے کر شملہ کی چوٹیوں اور گنگ و جمن کی وادیوں تک بج رہے تھے۔ آپ کے عہد میں جہلم پھر عوام کی نظروں کا مرکز بن گیا تھا۔ آپ سے دعائیں لینے، جوگ حاصل کرنے، آسن جمانے اور گیان دھیان کے طریقے سیکھنے کے لئے دُور دراز سے عوام اور راجے مہاراجے آیا کرتے تھے۔ ایک بار خود بہلول لودھی بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ اور ٹلہ کے لوگ کہتے ہیں کہ آپ کے آخری دور میں گورونانک صاحب بھی آپ سے ملاقات کرنے ٹلہ پر آئے تھے۔ آپ کے بارے میں پیر وارث شاہ فرماتے ہیں۔

لوک آکھدے نے بالناتھ جوگی، دل جاندائے پار لنگھاونے وا

ترجمہ لوگ کہتے ہیں کہ بالناتھ جوگی فقر کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کو عبور کرنے کے طور طریقوں سے بخوبی واقف ہے۔

اور بقول وارث شاہ ہی کے اس بھولے بھالے، نرم دل فیاض جوگی سے ہیر کے عاشق رانجھَا نے لڑ جھگڑ کر دھونس اور دھاندلی سے سنکھ اور مُندریں حاصل کر لی تھیں۔ (تفصیل کے لئے ہیر وارث شاہ" کا مطالعہ فرمائیں) جب رانجھا جوگ لینے کی غرض سے بالناتھ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس موقعے پر بالناتھ نے رانجھے کو جن الفاظ میں درس فقر دیا وہ الفاظ ویدانت اور اسلامی تصوف کی تعلیم کا نچوڑ ہیں۔

چھوڑ دغا فریب تے بخل کینہ، ہو کے حرص ہوا تھیں پاک جٹا!

نہ توں اگ رہیں نہ توں رہیں پانی، نہ تور میں ہوا نہ خاک جٹا!

اندر دین دنیا اہدا نام سچا، سارا نور ظہور، افلاک جٹا!

وارث شاہ تاں اپنا آپ جاپے جدوں کریں سریر ہلاک جٹا!

کام کرودھ تے لوبھ ہنکار مارن جوگ خاک درخاک ہو جاوناوئے

طمع حرص نوں مار فقیر ہونا، اساں حق دا راہ بتاونا اوئے

لوکاں بھانے ایہہ جوگ دی بات سوکھی، جیندے جی ہی خاک ہو جاونا اوئے
وارث جوگ داپاونا بڑا اوکھا، جوگ پاؤنا جان گنواونا اوئے

گویا بقول فیضی کے

من ازہر سہ عالم جدا گشتہ ام
تہی گشتہ از خود، خدا گشتہ ام

یہ بالناتھ ہی کے فیض روحانی کے کرشمے ہیں کہ ہیر رانجھا اور پیر وارث شاہ تینوں حیات جادواں پا گئے ہیں۔ اب میں جودھاناتھ کی طرف آتا ہوں۔

جودھاناتھ

۱۵۴۰ء شیر شاہ سوری کے عہد میں جودھاناتھ جوگی ٹلہ پر مسند نشین ہوا۔ یہ جوگی بھی بڑا صاحبِ استدراج تھا۔ اس کے کئی روحانی کرشمے "بیاض مسکین" میں مہتہ مسکین نے درج کئے ہیں۔ میں ان کی تفصیل میں جانا نہیں چاہتا۔ صرف ایک واقعہ احاطۂ تحریر میں لاتا ہوں۔ مہتہ مسکین لکھتے ہیں کہ رُہتاس کا قلعہ تعمیر کرنے سے پہلے شیر شاہ سوری جودھاناناتھ کی شہرت سن کر ٹلہ پر تشریف لایا تھا۔ شیر شاہ سوری جب ٹلے پر آیا تو اسے اس کی پرفضا اور دلکشا وادی بہت پسند آئی۔ اور وہ اپنے دل میں یہ سکیم بنا کر واپس چلا گیا کہ ٹلے کو اپنی قیام گاہ بنائے گا۔ لیکن جب رات کو اپنے بستر پر محوخواب ہوا تو کسی بزرگ نے اسے بڑی سختی سے اس ارادہ سے باز رہنے کی تلقین کی۔ خواب سے بیدار ہو کر شیر شاہ جودھاناتھ کے پاس گیا۔ جودھاناتھ مسکرا کر بولے۔ اے شہنشاہ ہند! ٹلہ صدیوں سے فقیروں کا استھان چلا آ رہا ہے، یہ زمین بادشاہوں کے قابل نہیں۔ شیر شاہ نے کہا۔ خیرو برکت حاصل کرنے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں۔ اور ٹلہ سے ملحقہ تمام گاؤں بطور جاگیر آپ کو عطا کرتا ہوں اس زمانہ سے لے کر برطانوی راج کے آغاز تک ان تمام گاؤں کے مالیہ کی آمدنی ٹلہ کے جوگی اپنے تصرف میں لاتے

رہے ہیں۔

جودھاناتھ کے بعد پھول ناتھ' اچھا ناتھ' پیار ناتھ' گوہر ناتھ' بج ناتھ اور کلا ناتھ یکے بعد دیگرے جوگی ٹِلّہ کی گدی پر بیٹھ کر اپنے چیلوں کو جوگ اور نروان حاصل کرنے کے گر سکھاتے رہے۔ اب میں مہنتہ مسکین کی بیاض سے ایک شعر پیش کرتا ہوں جس سے جودھاناتھ کے عہد اور ناتھ جوگیوں کے ابتدائی زمانے کا تعیّن بڑی آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔

شیر شاہ سوری دَورِ بابری دامشہور اک سپہ سالار ہے سی!
لاتعداد پشتان گورکھ ناتھ پچھوں بنیاں ہنردا اوہ تاجدار ہے سی
پیر حال دی دسویں پشت ویلے اس ملک دا اوہ تاجدار ہے سی
پیر گدی نشین اس وقت ٹلے' جودھاناتھ جوگی نامدار ہے سی

میں سابقہ اوراق میں لکھ آیا ہوں کہ گورکھ ناتھ کے بعد اور بالناتھ سے پہلے جوگیوں کے نام کہیں سے بھی دستیاب نہیں ہو سکے۔ البتہ بالناتھ سے لے کر کلاناتھ جوگی تک ٹلہ کے ناتھ جوگیوں کا شجرہ حسب ذیل ہے۔

بالناتھ' اوم ناتھ' لچھمن ناتھ' جودھاناتھ' گلاب ناتھ' پھول ناتھ' اچھاناتھ' پیارا ناتھ' گوہر ناتھ' بج ناتھ' کلا ناتھ ہندی اور گورمکھی زبان کے بہت بڑے عالم تھا اور عملیات و تعویزات' کالا علم اور جھاڑ پھونک کے بھی ماہر تھے۔ کبھی کبھی جہلم شہر کے چوک اہلحدیث میں جوگیوں کی حویلی میں بھی تشریف لایا کرتے تھے۔ آپ بڑے وسیع المشرب جوگی تھے

غالباً ۱۹۳۸ء میں پیر حیدر علی شاہ جلالپوریؒ کے پوتے محمد فضل شاہ معہ اپنی جماعت (حزب اللہ) ٹلہ پر تشریف لے گئے تھے۔ کلاناتھ ان کے ساتھ فقیرانہ حسن سلوک سے پیش آتے تھے۔ کئی گھنٹوں تک دونوں فقیر اسلامی تصوف اور ویدانت کے

اہم رموز و اسرار پر گفتگو کرتے رہے۔ کلاناتھ جوگی نے پیر صاحب کو معہ ان کی جماعت کے دعوت فقیرانہ بھی دی تھی اور دعوت سے فارغ ہو کر پیر صاحب نے وہاں نماز بھی ادا کی تھی۔

برطانوی راج تک ٹِلّہ ایک قابل دید دلفریب اور خوشگوار مقام تھا۔ وہاں آٹھوں پہر گہما گہمی، چہل پہل اور رونق ہوا کرتی تھی۔ کبھی جنگلی جانوروں کی چنگھاڑ سے ٹِلّہ کے کوہ ودمن لرز اٹھتے تھے۔ اور کبھی جوگیوں کی مستانہ تانیں دلوں کو چیر جاتی تھیں۔ ہندو مسلم سب کے سب ان جوگیوں کے درشن کرنے ٹلے پر آیا کرتے تھے۔ اور ان سے خیروبرکت کے لئے دعائیں کرواتے اور نیازیں چڑھاتے تھے۔ خصوصا دودھ کا چڑھاوا تو بے شمار ہوا کرتا تھا۔

ٹلے کا بندوبست ایک انجمن کے ہاتھ میں ہوتا تھا اور انجمن کے مہتمم کو "مہنت" کہتے تھے پاکستان بننے کے بعد ٹلہ کی رونقیں ختم ہو گئیں۔ اب انسانوں کے جمگھٹوں کی بجائے ٹلہ کی چوٹی پر خاموشی کے دیوتا ناچتے ہیں۔ اور ہر طرف ایک سناٹا چھایا ہوا ہے اور جوگیوں کی روحیں زبان حال سے کہہ رہی ہیں۔

فقیروں کے تھے جمگھٹے دو گھڑی

شرابیں تری، بادہ خانے ترے

سڑکیں ٹوٹ پھوٹ چکی ہیں اور تالاب خشک ہو گئے ہیں البتہ وہاں ایک ڈاک بنگلہ اب بھی موجود ہے۔ لمبی لمبی گھاس، جڑی بوٹیاں اور درختوں کے جھنڈ اب بھی خاموش پاسبانوں کی طرح ٹِلّہ پر پہرہ دے رہے ہیں۔

نوٹ ٹِلّہ کی چوٹی سطح زمین سے ۳۲۰۰ فٹ بلند ہے یہ ایک صحت افزا مقام ہے۔ یہاں پر جو جڑی بوٹیاں اور پرندے نظر آتے ہیں وہ اس علاقہ کے دوسرے دیہاتوں میں دکھائی نہیں دیتے ۔ یہاں پر قہو اور چیل کے بے شمار درخت ہیں اور

بانسوں کا جنگل بھی ہے۔

جناب موہن سنگھ دیوانہ مصنف "پنجابی ادب" اور محترم عبدالغفور قریشی مصنف "پنجابی ادب دی کہانی" میں ناتھ جوگیوں کا زمانہ ۸۵۰ء سے ۱۴۵۰ تک متعین کیا ہے اور یہ میرے نزدیک مشکوک ہے میرے خیال میں ناتھ جوگیوں کا زمانہ گورکھ ناتھ ۳۸۰ء سے کلاناتھ جوگی ۱۹۴۶ء تک پھیلا ہوا ہے میں اپنے اس دعوے کے ثبوت میں "بیاض مسکین" کے اشعار اور پیر وارث شاہ کے اشعار گزشتہ اوراق میں بطور شہادت پیش کر چکا ہوں اور ذرا آگے چل کر میں اپنے دعویٰ کی صداقت میں مزید تاریخی شواہد پیش کروں گا۔ ممکن ہے کہ قارئین ناتھ جوگیوں کے مسلسل ذکر سے بیزار ہو رہے ہوں اس لئے اب میں قارئین کو ایک بڑی دلچسپ، نصیحت آموز اور معلوماتی کہانی سناتا ہوں۔ اس کہانی سے ناتھ جوگیوں کے زمانہ کا تعین بھی کیا جا سکتا ہے۔ میں نے یہ کہانی جناب ناطق صاحب کی تصنیف "سراج التواریخ" سے اخذ کی ہے۔

ایک دلچسپ کہانی

۳۸۰ء بکرماجیت کے تخت نشین ہونے سے کچھ عرصہ پہلے گندھرب سین کے مرنے کے بعد تقریباً ۳۷۵ء میں اس کا بیٹا اور بکرماجیت کا بھائی بھرتری ہری اجین کا راجہ بنا بھرتری ہری گدی پر بیٹھتے ہی عیش و عشرت اور راگ رنگ میں مشغول ہو گیا۔ اس کی دُورانیاں تھیں مسماۃ سیتارانی اور مسماۃ پنگل دیوی، دونوں رانیاں بڑی خوب صورت تھیں لیکن راجہ کو سیتا سے بلا کا عشق تھا وہ اس کے بغیر ایک منٹ بھی نہیں گزار سکتا تھا۔ اور سیتا بھی جواب میں اس سے اسی طرح کی محبت کرتی تھی جو سراسر بناوٹ پر مبنی تھی۔ ایک دن ایک جوگی نے راجہ کو امرت پھل عطا فرمایا ور کہا کہ اگر اسے کھالو گے تو سدا جیتے رہو گے راجہ نے جوگی کو انعام دے کر رخصت کر دیا اور یہ امرت پھل اپنی پیاری رانی سیتا کو دے دیا اور کہا اسے کھا لو تمہیں موت کبھی نہ

چھوٹے گی رانی نے وہ پھل لے کر شہر کے داروغہ کو دے دیا۔ جس پر وہ خود عاشق تھی
اور داروغہ نے یہ پھل رانی سے لے کر اپنی معشوقہ کو جو کہ شہر کی بیسوا (رنڈی) تھی
دے دیا اور کہا یہ امرت پھل ہے اسے کھالو۔ اس کی تاثیر یہ ہے کہ اسے جو کھا لیتا
ہے وہ ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔ بیسوا (رنڈی) نے یہ پھل لے کر رکھ لیا اور کچھ دنوں کے
بعد راجہ کے دربار میں حاضر ہو کر یہ پھل راجہ کی خدمت میں پیش کر کے بولی
"مہاراج ہم غریب لوگ زندگی سے بیزار ہیں۔ آپ یہ امرت پھل کھالیں' آپ حیات
جاوداں سے ہمکنار ہو جائیں گے۔ راجہ نے پھل پہچان لیا اور رنڈی کو انعام و اکرام
دے کر رخصت کر دیا۔ اور اپنے جاسوسوں کے ذریعے اس واقعہ کی تفتیش کروائی۔
جب حقائق سامنے آئے تو راجہ کو سیتارانی کی بے وفائی کا سخت صدمہ ہوا۔ راجہ نے
شہر کے داروغہ کو قتل کروا دیا۔ رانی سیتا نے محل سے گر کر خودکشی کر لی۔ اس واقعہ
سے بھرتری کے دل پر چوٹ پڑی۔ پھر ایک دن جب وہ بازار سے گزر رہا تھا تو کیا دیکھتا
ہے کہ ایک مُردہ مرد کی ارتھی کے ساتھ اس کی بیوہ عورت بڑے دردناک بین کر رہی
ہے اور جب لوگ مُردہ کو شمشان میں لے گئے تو اس کی چتا میں اس عورت نے
چھلانگ لگا دی اور اپنے آپ کو آگ کے شعلوں کی نذر کر دیا۔ راجہ اس عورت کی وفا
داری سے بہت حیران ہوا۔ اس نے محل میں آکر یہ سارا واقعہ اپنی رانی پنگلا کو سنایا۔
تو اس نے کہا کہ وفادار عورتیں بغیر آگ کے بھی اپنے شوہر کی پریم چتا میں جل جاتی
ہیں یہ سن کر راجہ اس وقت تو خاموش ہو گیا۔ لیکن چند دنوں کے بعد جب وہ شکار
کھیلنے جنگل میں گیا تو اس نے یہ ڈرامہ کھیلا کہ اپنے کپڑے کسی جنگلی جانور کے خون
میں لت پت کر کے نوکروں کے حوالے کئے اور کہا کہ یہ خون آلود کپڑے رانی پنگلا
تک پہنچا دو اور اسے کہنا کہ راجہ کے دشمنوں نے اسے جنگل میں قتل کر دیا ہے۔
نوکروں نے ایسا ہی کیا اور پنگلا اس جانکاہ سانحہ کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو گئی اور

اسی حالت میں مر گئی۔ جب راجہ گھر آیا تو اس رانی پنگلا کی وفاداری دیکھ کر بڑا تعجب ہوا اور ساتھ ہی بے حد صدمہ بھی۔ اس نے یہ تین مختلف مناظر دیکھ کر کہا کہ یہ دنیا عبرت کا مقام ہے۔ دھن دولت اور عیش و عشرت آنی جانی چیزیں ہیں۔

ان واقعات نے راجہ کے دل پر رنج والم کے ایسے گہرے نقوش ثبت کئے کہ وہ راج پاٹ چھوڑ کر فقیر ہو گیا بھرتری کی گپھا جس میں وہ ریاضت کرتا تھا' چنار گڑھ کے قلعہ میں ہے بھرتری فقیر ہونے کے بعد گورکھ ناتھ کی خدمت میں حاضر ہو کر یوگ سادھن کرتا رہا۔

اس نے جوگ پر کئی کتابیں بھی لکھی ہیں جن کا نام "بھرتری پشتک" ہے راجہ بھرتری ہے راجہ بھرتری ہری کے جوگی بن جانے کے بعد اس کا بھائی بکرماجیت ۳۸۰ء میں اجین کے تخت پر بیٹھا۔ (ماخوذ از سراج التواریخ صفحہ ۱۳۳)

نوٹ اس فقیر منش راجہ کے ایک ہندی شعر کا ترجمہ علامہ اقبالؒ نے یوں کیا ہے

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مردناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر

یہ کہانی اگر درس عبرت دیتی ہے تو ساتھ ہی یہ بھی ثابت کرتی ہے کہ گورکھ ناتھ کا زمانہ بکرماجیت اور راجہ بھرتری ہری کا عہد یعنی ۳۷۵ء تھا۔

"سراج التواریخ" صفحہ ۱۴۱ کی یہ عبادت بھی قابل غور ہے۔ سلطان التمش نے ۱۲۳۵ء میں بلادِ مالوہ پر یورش کی اور شہر بھیا اور قلعہ کو فتح کرنے کے بعد مہاکال کے بت خانہ کو مسمار کروا دیا۔ جسے کئی سو سال قبل راجہ بکرماجیت نے بنوایا تھا یہ سطور بھی اس دعوی کی تصدیق کرتی ہیں۔

محمد قاسم موئف تاریخ فرشتہ لکھتے ہیں کہ بھرتری کا بھائی راجہ بکرماجیت قوم پوَار سے تھا۔ یہ بڑا چکرورتی راجہ ہوگزرا ہے اس نے مالوہ پر قبضہ کیا اوجین کو آباد کیا۔

دھار کا قلعہ بنوایا اور اوجین میں بت خانہ "مہا کال" تعمیر کیا ان سطور سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بھرتری راجہ بکرماجیت کا بھائی تھا۔ اور بھرتری کا گورکھ ناتھ سے جوگ لینا اور چیلہ بننا۔ سراج التواریخ کے مصنف نے بھی لکھا ہے اور جناب موہن سنگھ دیوانہ اور جناب عبدالغفور قریشی نے بھی لکھا بکرماجیت کا زمانہ تاریخ ہند کے مطابق ۳۸۰ء ہے

اس کے علاوہ سید منور حسین بخاری ایم اے نے ماہنامہ "لہراں" لاہور شمارہ اگست ۱۹۷۴ء میں پورن بھگت کو چورنگی ناتھ لکھا ہے آپ فرماتے ہیں کہ چورنگی ناتھ سیالکوٹ کے مشہور راجہ سالباہن کا لڑکا اور راجہ رسالو کا بڑا بھائی تھا۔ یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ راجہ سالباہن ۸۰۰ء میں نہیں ہوا بلکہ اس کا زمانہ گورکھ ناتھ کا عہد ہے یعنی ۳۸۰ء

"آئینہ گجرات" کے عظیم مصنف کرامت اللہ صاحب نے راجہ رسالو (جو کہ سالباہن کی رانی لوناں کے بطن سے تھا) کے متعلق لکھا ہے کہ وہ کوہستان نمک کی مہم سر کرنے سے پہلے ٹلہ کے گورو کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ اور راجہ رسالو کا زمانہ بھی گورکھ ناتھ ہی کا دور تھا علاوہ ازیں اور بھی شہادتیں موجود ہیں لیکن میں تاریخی شواہد پر اکتفا کرتے ہوئے محترم موہن سنگھ دیوانہ صاحب اور عبدالغفور قریشی صاحب کی خدمت میں گزارش کروں گا کہ وہ اس گزارش کو گستاخی میں شمار نہ کریں گزارش ہی سمجھ کر ناتھ جوگیوں کے زمانہ کا تعین از سر نو مزید تحقیق کے بعد فرمائیں۔

قلعہ روہتاس

۱۵۳۵ء میں جب شیر شاہ سوری نے ہمایوں کو شکست دی تو ہمایوں بھاگ کر دریائے جہلم عبور کر کے گکھڑوں کے علاقہ میں آ گیا تھا۔ اس وقت ضلع جہلم میں گکھڑوں کی اکثریت تھی۔ اور راجہ سارنگ (سلطان پور متصل منگلا) پر حکومت کرتا تھا۔ ہمایوں اس سے مدد کا طلب گار ہوا۔ اس نے ہمایوں کی اتنی مدد کی کہ وہ سندھ کو عبور کر کے شہنشاہ ایران "طہاسپ" کے پاس پہنچ گیا۔ اور اس نے بارہ سال ایران میں گزارے۔ ہمایوں کے ایران بھاگ جانے کے بعد فرید شاہ، شیر شاہ کے لقب سے ہندوستان پر حکومت کرنے لگا۔

رہتاس کا قلعہ ۱۵۴۰ء میں شیر شاہ سوری نے گکھڑوں کی یورش سے بچنے کے لئے اور انہیں کچلنے کے لئے بنوایا تھا اور اس لئے بھی کہ اگر ہمایوں ایران کے بادشاہ سے عسکری قسم کی مدد لے کر واپس آئے تو اسے یہاں پر ہی گھیر لیا جائے۔

اس قلعہ کی بنیاد ۱۵۴۳ء میں بنگال کے تعمیر شدہ قلعہ رہتاس کے نمونے پر رکھی گئی تھی پہلے قلعہ کا اندرونی حصہ اندر کوٹ چار سال اور سات ماہ میں تیار ہوا تھا۔ یہ قلعہ ۴۹ء ۷۳ طول بلد شمالی اور ۵۵ء۳۳ شمالی عرض بلد کے درجہ پر ایک پتھریلی پہاڑی پر نالہ گھان کے کنارے واقع ہے۔ یہ جہلم سے گیارہ میل دور شمال مغرب کی جانب اور دینہ ریلوے اسٹیشن سے تقریباً (پانچ کلو میٹر سے کچھ کم) تک پھیلی ہوئی ہیں۔ جو چٹانوں کو گھیرے ہوئے درہ کی گزرگاہ تک پہنچ جاتی ہیں قلعہ بندی کے مکمل احاطہ کا رقبہ ۲۶ ایکڑ ہے قلعہ کی دیواریں اب خستہ ہو چکی ہیں لیکن ابھی بہت کچھ باقی ہے جو جاذب نظر اور اثر آفرین نظارہ پیش کرتا ہے۔ یہ قلعہ جنگی اور دفاعی اہمیت کا حامل ہے اور تاریخی لحاظ سے بھی یہ علاقہ بڑی اہمیت رکھتا ہے یہاں کے عوام کہتے ہیں کہ جب کوروؤں نے پانڈوؤں کو وطن سے نکال دیا تھا تو انہوں نے پہلے پہل اسی مقام پر آ کر

پناہ لی تھی۔ اور بعد میں وہ کٹاس کی طرف چلے گئے تھے۔ یہ قلعہ سوری فن تعمیر کا ایک شاہکار ہے اور سوریوں کے تعمیری ذوق کی عکاسی کرتا ہے رہتاس کو قدیم زمانے میں منڈی کہتے تھے۔ یہاں پر سکھ مذہب کے بانی گورونانک نے بھی کچھ دن قیام کیا تھا اور اس علاقہ کے حق میں نیک دعائیں دی تھیں۔ یہاں پر نانک کا ایک چشمہ بھی ہے۔

ہندی زبان میں پہاڑ کو روہ کہتے ہیں۔ اور ہموار جگہ کو تاس کہتے ہیں کیونکہ قلعہ رہتاس پہاڑ کی ہموار جگہ پر بنا ہوا ہے اس لئے اس کا نام روہ تاس (رہتاس) رکھا گیا۔ رہتاس کے علاقہ میں گکھڑ، جنجوعہ جاٹ اور اعوان ابتدائی باشندے تصور کئے جاتے ہیں ان سب میں گکھڑ بہت زیادہ طاقتور تھے۔ سلطان آدم کے بھائی سلطان سارنگ خان نے شیر شاہ سے مقابلہ کیا تھا۔ گکھڑوں کا سردار سلطان آدم، ہمایوں کا خلوص دل سے حامی تھا اس نے ہمایوں کو ایران پہنچانے میں بھی مدد دی اور جب سوری خاندان زوال پذیر ہوا تو ہمایوں کو دوبارہ ہندوستان لوٹ آنے کی دعوت بھی اسی نے دی تھی۔ جب ہمایوں کامیاب ہو گیا تو اس نے اس وفاداری کے صلے میں آدم خان کو بے شمار انعام و اکرام سے نوازا تھا۔

یہ قلعہ اتنا وسیع ہے کہ اس میں پچاس ہزار پیدل فوج، تیس ہزار سوار، ۵۰ توپیں اور ۵۰۰ تیر انداز رکھنے کی گنجائش ہے اس قلعہ کے کئی دروازے ہیں اور ہر دروازے کی مخصوص وجہ تسمیہ ہے۔

لنگر خانی دروازہ

اس دروازہ کے اندر بادشاہ اور فوج کے لئے کھانا پکایا جاتا تھا اس کے سامنے باؤلی ہے اس میں سوراخ یعنی دروازہ بنا ہوا ہے اس راستے سے شہر کے لوگ اندر باہر آتے جاتے تھے۔

کابلی دروازہ

اس دروازے کا رُخ کابل کی طرف ہے۔ اس کے نیچے بھی باؤلی ہے جس کی چاروں دیواریں پختہ ہیں اس کے ذریعے قلعہ میں پانی لایا جاتا تھا۔

شاہ چاندولی دروازہ

یہاں پر شاہ چاندولی کا مزار ہے۔ اس دروازے کا راستہ قلعہ کے اندر جاتا ہے۔

طلاقی دروازہ

قدیم روایت کے مطابق شیر شاہ کا لڑکا سلیم شاہ دوران تعمیرِ قلعہ، قلعہ کو دیکھنے کی غرض سے اس دروازہ سے گزرا تھا۔ اور بیمار ہو گیا تھا۔ اس لئے یہ طلاقی دروازہ کہلانے لگا۔

اس دروازے کے نیچے ایک چشمہ ہے۔ جسے نانک کا چشمہ کہتے ہیں۔ یہاں پر گورونانک نے بابر بادشاہ کے دور میں عبادت کی تھی۔ اس چشمے کا پانی کھاری ہے۔

یہ دروازے اندر کوٹ کے ہیں۔ اندر کوٹ میں مان سنگھ کا محل بھی ہے جو اب کھنڈرات کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ مان سنگھ عہد اکبری میں رہتاس کا صوبیدار تھا۔ مان سنگھ کے محل کے قریب ایک مسجد بھی ہے اس کے بعد باہر کے قلعہ کی بنیاد رکھی گئی۔ جس میں حسب ذیل دروازے لگائے گئے۔

سہیل دروازہ

جس طرف سہیل ستارہ چمکتا ہے اس طرف کے دروازے کا نام سہیل دروازہ رکھا گیا۔ اس کی بالائی منزل پر اب ڈاک بنگلہ بنا ہوا ہے اس دروازے پر حضرت سہیلؒ بخاری کا مزار بھی ہے۔

خواص خانی دروازہ

اس دروازے کے باہر شمال کی طرف شیر شاہ کے ایک بہادر جرنیل خواص خان

کا سردفن ہے۔

کشمیری دروازہ

اس کا رخ کشمیر کی طرف ہے۔ یہ راستہ نالہ گھان کی طرف جاتا ہے۔

باؤلی دروازہ

یہ دروازہ کابلی دروازے کے نیچے بنا ہوا ہے

قلعہ موری دروازہ

یہ ایک چھوٹا سا دروازہ ہے۔

پیپل والا دروازہ

اس دروازے سے ملحق ایک تالاب ہے جس میں پانی ذخیرہ کیا جاتا تھا۔ اس دروازے کے نزدیک ہی ایک پیپل کا درخت تھا۔ اس لئے لوگ اسے پیپل والا دروازہ کہنے لگے۔

موری دروازہ

یہ دروازہ چکوال کے رخ پر بنایا گیا ہے۔ اس کے اندر کی طرف ایک باؤلی ہے جس کی ایک سو پچاس سیڑھیاں ہیں۔

شیشی دروازہ

اس کو دروازے پر روغنی اینٹیں لگی ہوئی ہیں جو شیشوں کی طرح چمکتی ہیں اس لئے اس کو شیشی دروازہ کہتے ہیں۔ یہ اینٹیں بڑا جاذب نظر نظارہ پیش کرتی ہیں۔

گٹالی دروازہ

اس کا رخ پتن گٹالی کی طرف ہے قلعہ کی دیواریں بہت کشادہ ہیں خوب صورت برج بنے ہوتے ہیں باؤلیاں اور کنوئیں موجود ہیں پوری فصیل چونے، پتھر مٹی اور گچ کی آمیزش سے بنائی گئی ہے۔

قلعہ روہتاس سہیل دروازہ

قلعہ روہتاس سہیل دروازہ

بڑے قلعہ میں ۴۵ برج ہیں اور چھوٹے قلعہ میں ۳۰ برج اور کنگروں کی تعداد ۱۲۵۰ ہے ایک مشہور روایت کے مطابق قلعہ روہتاس شاہو خاندان کی نگرانی میں بنا تھا۔

تاریخ رہتاس میں لکھا ہے کہ جب سوری خاندان زوال پذیر ہو گیا تو گکھڑ سردار سلطان آدم خان نے ہمایوں کو ہندوستان آنے کی دعوت دی اور ہمایوں شہنشاہ ایران کی فوجی مدد سے دوبارہ ہندوستان پر قابض ہو گیا۔ اور جب وہ قلعہ رہتاس میں داخل ہوا تو وہ قلعہ کو سوری خاندان کے اقتدار کا ایک منحوس نشان سمجھ کر اسے مسمار کرنے پر تل گیا۔ لیکن سلطان آدم خان اور دیگر مصاحبوں نے مشورہ یہ دیا کہ یہ فوجی لحاظ سے بڑا موزوں اور مفید ٹھکانہ اور دفاعی مورچہ ہے یہ سن کر ہمایوں نے اپنے دل کا غبار اس طرح نکالا کہ سہیل دروازہ کے کچھ کنگرے گرا دیئے۔

سلطان آدم خان نے شہنشاہ ہمایوں کے ساتھ جو بہترین سلوک کیا تھا اور مشکل وقت میں اس کی مدد کی تھی۔ ہمایوں نے دوبارہ شہنشاہ ہند بننے کے بعد سلطان آدم کو اس کی مخلصانہ خدمات کے بدلے میں بے حد انعام و اکرام سے نوازا تھا۔

مغل حکومت کے خاتمہ کے بعد احمد شاہ ابدالی نے کابل حکومت اور پنجاب میں رابطہ قائم رکھنے کی غرض سے نواب سربلند خان کو قلعہ رہتاس میں بحیثیت ایک گورنر کے متعین کر دیا تھا۔ بقول مصنف "تاریخ رہتاس" کے کالا گوجراں کے چوہدری عبدالرحیم نے سکھوں کے ساتھ ساز باز کر کے اسے گرفتار کروا دیا تھا اور ۱۷۶۶ میں اس قلعہ پر سکھ قابض ہو گئے تھے۔ تاریخ رہتاس کا مصنف کہتا ہے کہ سکھوں نے تین ماہ تک اس قلعہ کا محاصرہ جاری رکھا تھا اور اس عرصہ کے دوران پانی کی نایابی کے باعث پانی کا ایک پیالہ ایک روپیہ میں فروخت ہوتا تھا۔ رہتاس کے فرمانروا شیر شاہ سوری، سلیم شاہ سوری، سخی خواص خاں (بطور گورنر) فیروز شاہ، سکندر سوری، احمد خاں،

ہیبت خان نیازی، تاتا خان نیازی اور آدم خاں نے قلعہ کو ہمایوں کے سپرد کر دیا تھا۔
شہنشاہ اکبر کے زمانہ میں مان سنگھ رہتاس کا صوبیدار (گورنر) مقرر ہوا۔
مغلیہ خاندان کے دور ابتلا میں رہتاس کے قلعہ پر گکھڑوں نے قبضہ جما لیا تھا۔
اس کے بعد احمد شاہ ابدالی کے مقرر کئے ہوئے گورنر سربلند خاں نے اسے اپنی تحویل میں لے لیا تھا۔ کچھ عرصہ کالا کا چوہدری عبدالرحیم بھی رہتاس پر حکومت کرتا رہا ہے جب چیلیانوالہ کے مقام پر سکھوں اور انگریزوں کے درمیان جنگ ہوئی اور سکھ شکست کھا گئے تو پھر ۱۸۴۹ء میں اس قلعہ پر برطانوی راج کا جھنڈا لہرانے لگا تھا اور مسٹر چارلس گورنر پنجاب نے ۱۹۰۶ء میں یہاں ایک دربار لگایا تھا۔ اور اس سے پہلے ۱۸۸۰ء میں مسٹر برانڈرتھ آفیسر بندوبست ضلع جہلم نے رہتاس کے قلعہ میں ایک اجلاس بلایا تھا جس میں علاقہ کے بڑے بڑے زمینداروں اور مشہور شخصیتوں نے شرکت کی تھی کالا گوجراں سے چوہدری فتح محمد، جکر سے چوہدری محمد خاں، کالاس سے احمد خاں، مفتیاں سے عمر بخش اور دینہ سے حافظ غلام محمد کو بلا کر نمبرداریاں دی گئی تھیں۔ دینہ کے حافظ غلام محمد کو ۱۸۸۰ء کے بندوبست کے موقع پر اس علاقہ کا بہترین پسندیدہ شخص منتخب کیا گیا تھا۔ یہ پانچوں صاحبان اپنے زمانے میں اچھے خاصے اثرورسوخ کے مالک تھے۔

پاکستان بننے سے پہلے رہتاس میں سوری خاندان، رہتاس کے ٹکوں اور بھابھڑوں کی اکثریت تھی۔ ۱۸۸۰ء کی مردم شماری میں رہتاس کے کوائف حسب ذیل ہیں۔
آبادی ۲۷۹۷ افراد پر مشتمل تھی جس میں ۱۹۳۵ مسلمان اور ۸۸۲ ہندو تھے۔ اور آباد گھروں کی کل تعداد ۶۸۰ تھی۔ قدیم زمانے میں رہتاس کے ٹکے قلم اور تلوار دونوں کے دھنی تھے چنانچہ قدیم پنجابی کا شاروا اور لنڈا رسم الخط رہتاس کے ٹکوں ہی نے ایجاد کیا تھا۔
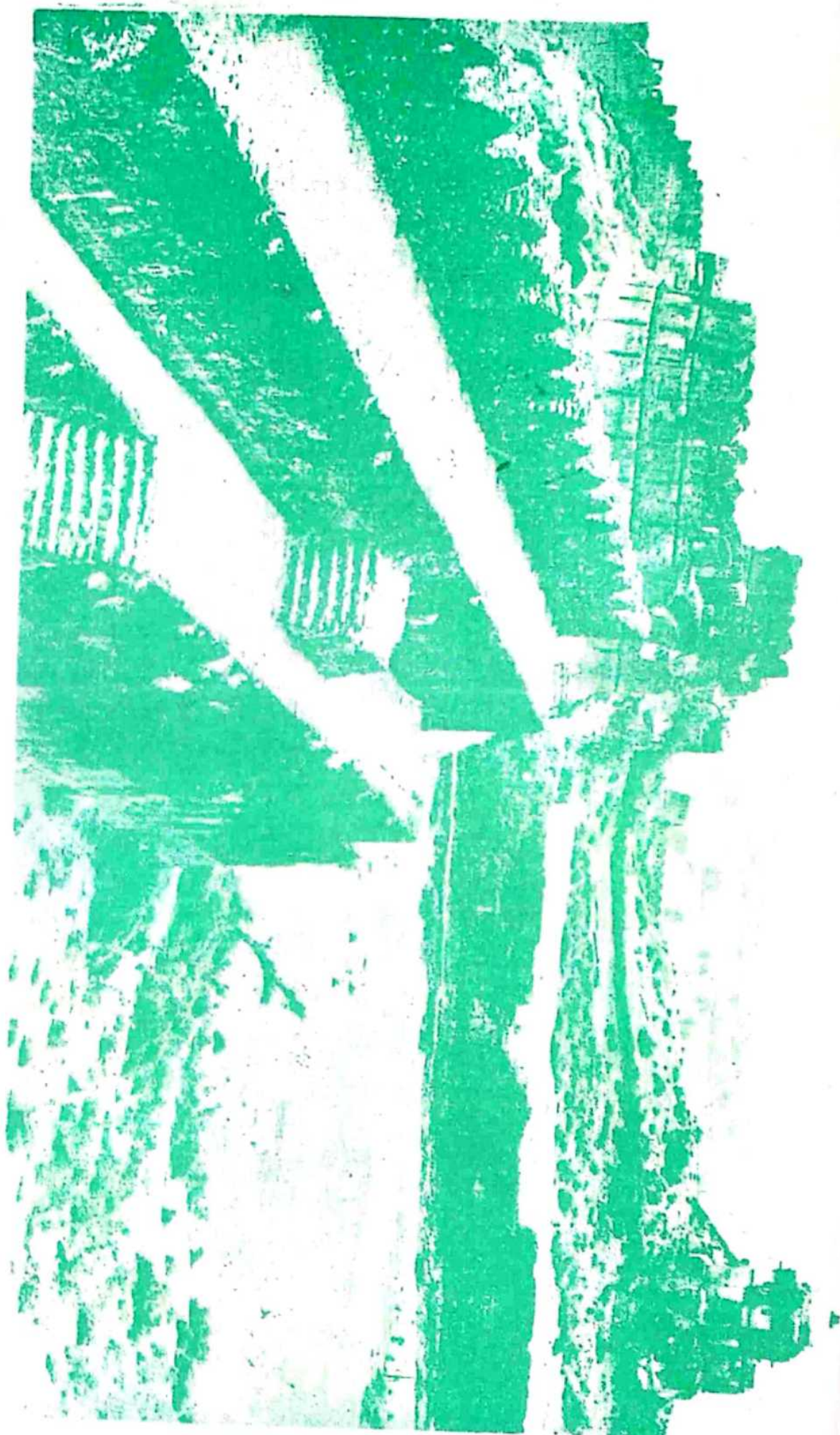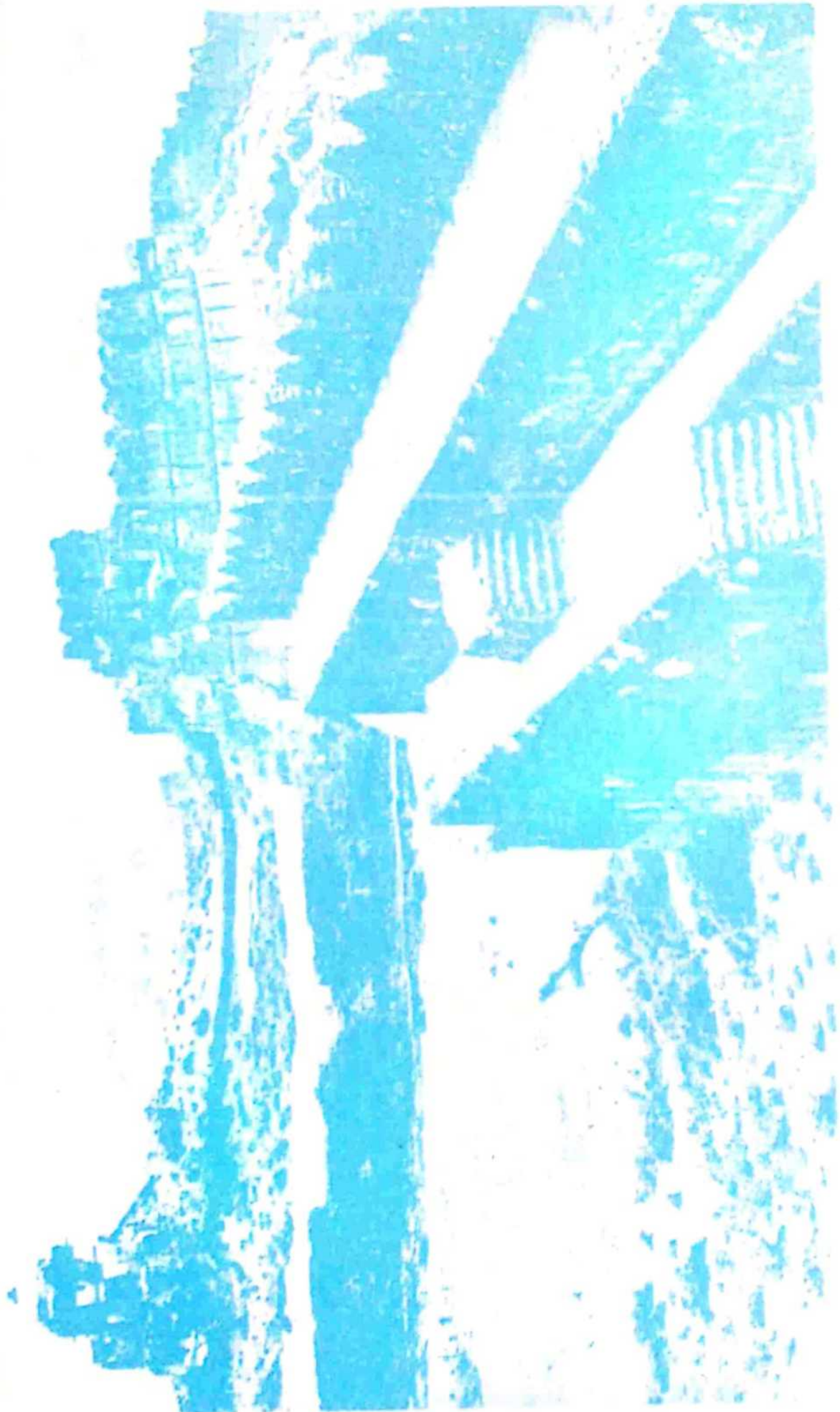
پھانسی گھاٹ قلعہ روہتاس)

یکم جنوری ۱۸۷۵ء میں یہاں پر گورنمنٹ برطانیہ نے ایک مڈل سکول فارسی قائم کیا تھا۔ اس سکول میں طلباء کی تعداد ۱۰۴ تھی۔ اور اس سکول کے سب سے پہلے ہیڈماسٹر جناب مولوی فتح محمد صاحب مرحوم تھے۔ ان میں عوام کو تعلیم دینے کا شوق جنون کی حد تک پایا جاتا تھا۔ کچھ لوگ انہیں جہلم کا "سرسید" سمجھتے ہیں۔ جہلم شہر کو چھوڑ کر دیہی آبادی میں رہتاس کا سکول سب سے پہلا سکول تھا۔ اور دوسرے نمبر پر کالا گوجراں کا پرائمری سکول تھا۔ جو آنریری مجسٹریٹ رتن سنگھ کی کوششوں اور مدد سے ۱۵ مئی ۱۸۷۸ء کو قائم ہوا تھا۔ تیسرا نمبر جکر کا ہے اور چوتھا چک براہم کا اس کے بعد دیہاتوں میں سکول کھلنے کا عام سلسلہ جاری ہو گیا تھا۔ ماضی قریب میں تاریخ رہتاس کے مصنف مہکراج قانون گو اور ان کے والد بوٹا مل ملہوترہ' رانی تعزیہ والی' مولوی فتح محمد رام داس سوری اور ممتاز شاعر اللہ دتہ بھٹی' استاد گوڈر خان' دیس راج شرما اور حسن رہتاسی مشہور ہستیاں گزری ہیں محمد دین الفت اور زکواۃ وعشر کمیٹی کے صدر مرزا محمد اقبال' ظفر علی شاہ خطیب جامع مسجد لندن (برطانیہ) ماسٹر عاشق حسین ریڈیو سنگر' مولانا سوار الدین شیدا اور ملک نجیب اللہ ایکسین کا شمار اس شہر کے اکابرین میں ہوتا ہے۔

نوٹ ۱۸۶۰ تک رہتاس کا علاقہ ۱۴ تپوں پر مشتمل تھا۔ سکھوں کے عہد سے پہلے رہتاس کے چودہ تپے حسب ذیل تھے۔ پھلیالہ' اسکندرالہ' راجو' باربکالہ طلیالہ' گری' دھورالہ' حویلی' شاہجانی' کملی' فیروزالہ' جوتالہ' سلیالہ' جہلم

سکھوں نے ان تپوں کو آپس میں ملا کر نو علاقوں میں تقسیم کر دیا۔ سکھوں کے عہد کے علاقوں کے نام۔ کملی' طلیالہ' عیسالہ' پدری' طولیالہ' سنگری' دھورالہ' سلیار اور جہلم تھے۔

کالا گوجراں

ہر گلی کالا کی رنگ و نور سے معمور ہے
سچ اگر پوچھو تو "کالا" روشنی کا طور ہے

یہ راقم کا وطن مالوف ہے۔ یہ جوگیوں کا مسکن اور برگدوں کی سرزمین ہے راقم نے اپنی آنکھوں سے اس کی چھاتی پر بیسیوں برگد کے درخت دیکھے ہیں جو فرض شناس پاسبانوں کی طرح اپنا فرض ادا کر رہے ہیں۔ اور زمانہ کے جلتے تپتے صحرا سے آنے والے مسافروں کو اپنی گھنی چھاؤں سے ٹھنڈک اور سکون بخشتے رہے۔ ان درختوں کو زمانہ کی مہیب آندھیوں نے اکھاڑ ڈالا ہے۔ لیکن اب بھی مغربی محلّہ کے تالاب (چھپڑ) کے شمال میں لڑکوں کے مڈل سکول کے گردونواح میں بڑکے پانچ پیڑ زبان حال سے ماضی کی داستان سنا رہے ہیں۔ یہ قصبہ شاعروں' ادیبوں' صوفیوں اور فقیروں کا مسکن ہے اور نامور کبڈی باز سجیلے اور جوشیلے پہلوانوں کی سرزمین ہے یہ بہت پرانا تاریخی قصبہ ہے آج سے تقریباً ۸ سال پہلے کا ذکر ہے کہ حوالدار محمد مالک کشمیری نے ایک کنواں کھدوانا شروع کیا تھا۔ جب کنویں کی کھدائی بیس فٹ پر پہنچی تو نیچے سے ایک پرانا کنواں نکل آیا تھا۔ جس کی اینٹیں پختہ ہیں اور اینٹ کی لمبائی ۱۸ انچ چوڑائی ۸ انچ اور موٹائی ۳ انچ ہے ۔ کچھ مستریوں کا خیال ہے کہ اس کنوئیں کی بناوٹ مغلیہ دور سے تعلق رکھتی ہے۔

عبدالحق کشمیری نے آج سے چند برس پیشتر اپنی حویلی واقع منڈی محلّہ میں ایک کنواں کھدوانا شروع کیا تھا۔ اس کنوئیں کی کھدائی ابھی چند فٹ ہی ہوئی تھی کہ نیچے سے ایک پرانا کنواں نکل آیا۔ جو بڑی بڑی پتھریلی سلوں سے بنا ہوا تھا۔ اس علاقہ کے تجربہ کار کاریگر مستری اور راج کہتے ہیں کہ اس قسم کے کنویں کی ساخت شیر شاہ سوری کے زمانے سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کے علاوہ آج سے بیس سال پہلے کا واقعہ ہے کہ

بابو بسم اللہ ارائیں مرحوم نے کالا اور پھلائیاں کے قریب جو کنواں کھدوایا تھا اس کی کھدائی کے دوران بیس فٹ کی گہرائی پر ایک پرانا کنواں نمودار ہو گیا تھا۔ اس کنویں کے قریب ہی ایک اونچا سا ٹیلہ ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ یہ پرانا کالا ہے۔ جناب پروفیسر یوسف حسن اور جناب چوہدری پرویز احمد کو چند سکے کالا کے جلال احاطہ سے ملے ہیں۔ وہ سکے بھی قدیم ماضی سے تعلق رکھتے ہیں۔ مذکورہ بالا تاریخی حقائق کی روشنی میں یہ نتیجہ باآسانی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ کالا آج سے سات آٹھ سو برس پرانی بستی ہے۔

لیکن جنرل کننگھم صاحب کی سروے رپورٹ "کالا" کی قدامت کے ڈانڈے جہلم سے جا ملاتی ہے چنانچہ جنرل کننگھم صاحب (Cunninghan) نے اپنی آثار قدیمہ کی سروے رپورٹ جلد نمبر ۱۴ میں صفحات ۴۱ تا ۴۳ میں لکھا ہے جہلم سے چار میل شمال میں "کالا" کے گاؤں میں ایک سنگی پلاسٹر غالباً کسی چوکھٹ کا بایاں حصہ ہے جس کی اونچائی سات فٹ ہے اس کی تہہ میں تو ایک شبیہہ بنی ہوئی ہے لیکن اوپر کا سرا ان عام ستونوں جیسا ہے جو ہندومت اور جین مت مندروں مین اکثر دیکھے جاتے ہیں اور جیسا کہ جہلم شہر سے حاصل شدہ مذکورہ بالا ستون ہے (میں جہلم کے ستون کا ذکر گزشتہ اوراق میں کر آیا ہوں) کالا کے اس ستون کی تشہیر جنرل ایبٹ نے پلیٹ نمبر ۲۴ (الف) جے اے ایس بی ۱۸۴۶ء میں کی ہے اور جناب محمد اعظم بیگ لاہوری اپنی تصنیف "تاریخ جہلم" میں لکھتے ہیں کہ جہلم صدر مقام ضلع سے گوشہ شمال مغرب فاصلہ چار میل پر قصبہ کالا آباد ہے چوہدری سلیمان گوجر پسوال اس قصبے کا آباد کرنے والا مشہور کیا جاتا ہے جس کی اولاد سے اکثر قوم گوجر باشندگان اس علاقہ کی ہیں اس اقتباس سے ثابت ہوتا ہے کہ کالا کے بانی جناب سلیمان گوجر پسوال تھے اب رہا ان کی یہاں پر آمد کے زمانے کا سوال تو اس گتھی کو تاریخ رہتاس کے مصنف ٹھکراج قانون گو

رہتاس نے یوں سلجھایا ہے وہ اپنی تصنیف تاریخ رہتاس فصل چہارم میں لکھتے ہیں کہ گوجر قوم راجپوتانہ سے چل کر پہلے گوجرانوالہ اور پھر گجرات آئی اور مویشیوں کے چارہ کے لئے وہیں ٹھہر گئی۔

چوہدری فتح محمد اور چوہدری جونا نے دریائے چناب کے کنارے جب گھاس کی کثرت دیکھی اور اس جگہ کو مویشیوں کے لئے مناسب پایا تو انہوں نے اس چراگاہ کو اپنا مسکن بنا لیا چنانچہ جٹ قوم نے حاکم وقت کو اطلاع دی کہ گوجر بیلے میں چراگاہ کو ویران کر رہے ہیں۔ حاکم وقت نے جب جٹوں اور گجروں کو آپس میں لڑتے جھگڑتے دیکھا تو انہوں نے کہا جو قوم سوا لاکھ روپیہ نذرانہ دے گی یہ جگہ اسے مل جائے گی۔ چنانچہ گوجر قوم نے اس وقت کا سکہ سوا لاکھ روپیہ ادا کر دیا اور شہر کا نام گجرات رکھ کر آباد ہو گئے۔ گوجر قوم کے کچھ افراد دریائے جہلم کو عبور کر کے بیلے میں آ گئے۔ بیلے میں اس وقت چند ملاح آباد تھے۔ گوجروں نے بیلے میں ڈیرے ڈال دیئے اور "چھل جنگل" کاٹ کر آبادی میں تبدیل کرتے رہے۔ جو اشخاص گجرات سے جہلم دریا پار کر کے آئے ان میں شاکر اکبر اور سلیمان تھے (یوں معلوم ہوتا ہے کہ اکبر' شاکر اور سلیمان بھائی تھے) انہوں نے مل جل کر دو ٹپے آباد کئے۔ اس میں ایک کا نام اکبر پور سلیمان اور دوسرے کا نام شاکر پور سلیمان رکھا۔ سکھوں کے عہد میں رانی سدا کور نے ان دونوں ٹپوں کو ملا کر ایک بستی بنا دی ور اس بستی کا نام "کالا" رکھا۔ (نئی یا اضافی بستی کو قدیم پنجابی میں کالا کہا جاتا ہے) کالا اسم مکبّر ہے اور کلی' کلیا اسم تصغیر ہے۔

سلیمان کی اولاد حسب ذیل تھی۔ جلال' جمال' ہندال' مبارک' عیسیٰ' موسیٰ اور حبیب جلال سے پتہ ساگر پور جلال نامزد ہوا اور جمال سے موضع چک جمال عیسی سے موضع عیسی اور ہندال سے موضع ہندال منسوب ہے سلیمان پسوال کا شجرہ

سلیمان' جلال' جوگی' سلطان' جہان خان' چوہدری عبدالرحیم' قادر بخش' کام

بخش، نور داد اور چوہدری فتح خان ۱۸۸۰ء کے آغاز میں نُور داد چوہدری ''کالا'' کا نمبردار تھا۔ مگر ۱۸۸۰ء کے اواخر میں چوہدری فتح محمد ''کالا'' کا نمبر دار بن گیا تھا۔ اس سے آگے مھکراج صاحب لکھتے ہیں کہ چوہدری عبدالرحیم بڑا بہادر، ذہین اور چالاک قسم کا آدمی تھا یہ گکھڑوں اور جنجوعوں سے مدتوں لڑتا رہا چودہ تپہ رہتاس پر بھی اس نے حکومت کی اور علاقہ ''کالا'' تو ہمیشہ اس کی قلمرو میں رہا ہے اس کے متعلق مشہور ہے کہ عبدالرحیم گوجر اور راجہ ہمت خان گکھڑ بوگیال، جب احمد شاہ ابدالی ایران سے پنجاب تسخیر کرنے کے لئے آیا تو یہ دونوں احمد شاہ کی خدمت حاضر ہوئے۔ سلطان نے دونوں کو خلعت سلطانی بخشی اور دونوں کو اپنا ملازم رکھ لیا۔ اور نواب سربلند خان ایرانی کو فوج دے کر قلعہ رہتاس میں بطور گورنر کے متعین کیا عبدالرحیم گوجر کالا، چوہدری رحمت خاں سکنہ جلال پور جٹاں، اللہ داد گوجر سکنہ ڈنگہ اور راجہ ہمت خان، باجو خان اور کاموں خان (بوگیا لان) تینوں بھائیوں کو مالیہ وغیرہ وصول کرنے پر مامور کیا۔ اس کے بعد جب گجرات پر سکھوں کا قبضہ ہو گیا تو چوہدری عبدالرحیم نے یہ چال چلی کہ سکھوں کو دریائے جہلم عبور کر کے آنے کی دعوت دی۔

مفصل حالات یوں ہیں کہ اس طرف سکھ گجرات میں جمع ہوئے اور اس طرف راجہ ہمت خان، باجو خان اور کاموں خان (بگیا لال) اور چوہدری عبدالرحیم کالا چوہدری رحمت خاں و چوہدری الہ داد سکنہ ڈنگہ جمع ہو کر نواب سربلند خان کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن عبدالرحیم سکنہ کالا بگیالوں کے ساتھ عداوت رکھتا تھا۔ چنانچہ اس نے سکھوں کو دریائے جہلم عبور کرنے کی دعوت دے دی۔ اور انہیں یقین دلایا کہ بغیر جنگ کے فتح تمہاری ہو گی۔ جب سکھ دریا عبور کر آئے تو عبدالرحیم نے نواب صاحب کو مشورہ دیا کہ قلعہ رہتاس میں محصور ہو جانا بہتر ہے نواب نے اس پر عمل کیا اور سکھوں نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ تین ماہ تک جاری رہا اس کے بعد عبدالرحیم

نے ایک اور فریب کھیلا کہ ایک عرضی راجہ ہمت خان کی طرف سے سکھوں کو لکھی۔ جس میں یہ لکھا کہ ہم تمام گکھڑ اور جلالپور کے چوہدری آپ کے خیر خواہ ہیں۔ فلاں دروازہ سے حملہ کر دو۔ ہم دروازہ اندر سے کھول دیں گے یہ درخواست جس ایلچی کے ذریعے بھیجی گئی اسے خود ہی گرفتار کر کے نواب سربلند خان کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نواب سربلند خان تمام حواریوں راجہ ہمت خان' باجو خان' کاموں خان (بگیا لاں) اور چوہدری رحمت خاں اور الہ داد سے مایوس ہو گیا اور انہیں قتل کروادیا۔

سہیل دروازہ کے باہر ان سب کی قبریں موجود ہیں۔ اپنے سرداروں کے قتل کی وجہ سے گکھڑ اور جٹ نواب کے خلاف ہو گئے اور نتیجہ یہ نکلا کہ سکھوں نے قلعہ فتح کر لیا۔ کہتے ہیں کہ محاصرہ کے دوران قلعہ کے اندر پانی کا ایک پیالہ ایک روپے میں فروخت ہوا تھا۔ فتح کے بعد سکھوں نے چوہدری عبدالرحیم آف کالا کو یہاں کا مدار المہام بنا دیا۔ اس کے بعد جب زمان شاہ پنجاب میں آیا تو راجہ شیر خان گکھڑ بوگیال بادشاہ کے حضور حاضر ہو کر خلعت یاب ہوا اور زمان شاہ نے ملک رہتاس اسے دے دیا۔ چوہدری عبدالرحیم معہ فوجِ سکھاں فرار ہو گیا۔ اور بوگیاں والوں نے کالا" میں لوٹ مار مچادی۔

جب چوہدری عبدالرحیم مر گیا تو اس کے بعد اس کا بیٹا قادر بخش سکھوں کہ عہد میں کالا" پر قابض رہا اور اس کی وفات کے بعد کام بخش۔ کام بخش چوہدری بڑا منصف' شریف اور پرہیز گار انسان تھا اور ہر ایک کا ہمدرد تھا۔ کام بخش کی وفات کے بعد مہاراجہ رنجیت سنگھ نے کالا' رانی سدا کور کو جاگیر میں دے دیا۔ اس کے بعد کالا کے چوہدریوں کا عمل دخل ختم ہو گیا۔

نوٹ : ــــ چوہدری عبدالرحیم کالا نے گھوڑی کال اور ڈمن کے درمیان بدالی کے

مقام پر ایک فوجی ساخت کا قلعہ بھی تعمیر کیا تھا۔ اب اس کے نشانات معدوم ہو چکے ہیں۔

کالا خالصہ راج میں

میں گزشتہ اوراق میں ذکر کر چکا ہوں۔ کہ راجہ رنجیت سنگھ نے علاقہ کالا' اپنی خواشدامن رانی سدا کور کو بطور جاگیر کے دے دیا تھا۔ رانی سدا کور کی شوخ وشنگ بیٹی' مہتاب کور تو عام طور پر رنجیت سنگھ کے ساتھ ہی رہتی تھی لیکن اس کے بیٹے شام سنگھ اور مہتاب کور کی والدہ رانی سدا کور کا زیادہ وقت کالا ہی میں گزرتا تھا رانی سدا کور نے کالا میں ایک محل (اٹاری) بھی بنوائی تھی اس اٹاری کے کھنڈرات پاکستان بننے کے بعد کافی عرصہ تک موجود رہے ہیں مگر اب ان کھنڈروں سے ملحق ٹھاکر دوارہ' جو ہندوؤں کا بارات گھر تھا' پر لڑکیوں کے ہائی سکول کی عمارت بن گئی ہے یہ اٹاری رانی کی رہائش گاہ بھی تھی۔ اور وہ اسی مقام پر عدالت بھی لگایا کرتی تھی اور ساتھ ہی پھانسی گھر بھی تھا۔

اگرچہ سکھ مثالی حکمران نہیں تھے۔ لیکن شاید "کالا" کے پانی کی یہ تاثیر تھی کہ رانی سدا کور (بڑی منصف مزاج' رحم دل اور انصاف پسند خاتون تھی۔ اس اٹاری سے زیر زمین ایک لمبی سرنگ' چوہدری غلام احمد صاحب کے .بھٹہ میں جو کنواں ہے اس میں جانکلتی ہے یہ سرنگ جہاں پر ختم ہوتی ہے وہاں ایک کھڑکی لگی ہوئی ہے اور اس کھڑکی کا نشان اب بھی یعنی ۱۵ جولائی ۱۹۹۴ء تک موجود ہے کچھ ہندو بوڑھے کہتے تھے۔ کہ یہ سرنگ پہلے باواہری داس کی باؤلی میں جاتی ہے اور پھر وہاں سے چوہدری صاحب کے کنویں میں پہنچتی ہے کسی زمانے میں اس کنویں کے اردگرد ایک خوب صورت باغ تھا اور رانی سدا کور سرنگ کے راستے اس باغ میں سیر کے لئے آیا کرتی تھی اور پھر

سرنگ کے راستے ہی واپس چلی جاتی تھی' غربی محلے والا چھپڑ اور اس کے کنارے ماتارانی کا مندر (جواب منہدم ہو چکا ہے) اور آرام تالاب (جسے عام طور پر رام تلائی کہا جاتا ہے) سکھوں کے دور کی یادگاریں ہیں۔

تالاب

یہ تالاب بڑا خوب صورت ہوتا تھا۔ اور اس کا پانی بالکل صاف اور شفاف تھا۔ لوگ مزے لے لے کر اس میں نہایا کرتے تھے۔

سیوا سمتی والوں نے اس چھپڑ میں تقریباً ۸ پختہ سیڑھیاں بنوا دی تھیں۔ جن پر بیٹھ کر ہندوؤں اور مسلمانوں کی بہو بیٹیاں کپڑے دھویا کرتی تھیں۔ اور رام تلائی کے کنارے لکڑی کے بنچ پڑے ہوئے تھے۔ جن پر بیٹھ کر لوگ تالاب کے حسین نظاروں سے لطف اندوز ہوا کرتے تھے۔ رامتلائی اس تالاب کے مغربی کنارے کے قریب واقع تھی۔ اور یہ کافی اونچی جگہ پر بنی ہوئی تھی۔

منڈی شیر سنگھ

سکھوں کے عہد سے لے کر ۱۹۴۰ء تک منڈی محلہ بڑا اہم محلہ تھا۔ اس محلّہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہاں پر خوردنی اشیاء اور خصوصاً گندم کی منڈی ہوتی تھی۔ اور کپڑے کی بڑی بڑی دوکانیں تھیں۔

یہ منڈی رانی "سداکور" کے دوہتے شام سنگھ نے بنوائی تھی۔ اس زمانے میں منڈی کے دو بہت بڑے دروازے ہوا کرتے تھے۔ ایک دروازہ مشرق کی طرف تھا اور دوسرا مغربی رُخ پر یعنی بازار کی طرف تھا۔ یہاں پر گندم پیسنے کے لئے دو خراس بھی لگے ہوئے تھے۔

کالا کی منڈی اس علاقہ کی ایک مثالی منڈی تھی اور اس منڈی میں مختلف اشیاء کی خرید و فروخت کے لئے دُور دُور سے بیوپاری آیا کرتے تھے۔ اور منڈی محلّہ میں

آٹھوں پہر رونق رہا کرتی تھی، غالباً ۱۹۲۷ء میں منڈی کے مقام پر ایک عظیم الشان کشمیری کانفرنس منعقد ہوئی تھی۔ میں اس کانفرنس کا ذکر آگے چل کر کسی مناسب مقام پر ذرا تفصیل سے کروں گا ۱۹۱۰ء کے بعد منڈی کاروبار کے لحاظ سے تو ختم ہو گئی لیکن اس کی رونقیں ۱۹۵۰ تک قائم رہیں۔ مختلف تہواروں کے جلسے، عوامی اجتماعی اور زندہ دل جوانوں کے جمگھٹوں کے سبب ۱۹۵۰ء تک منڈی اہل "کالا" کے لئے ایک حسین تفریح گاہ بنی رہی۔

آوے

دکن محلہ کے آوے بھی قابل ذکر ہیں ان آووں کی اینٹیں اتنی خوبصورت اور پائیدار ہوتی تھیں کہ بقول میاں سخی محمد صاحب "دور برطانیہ میں شہر جہلم اور چھاؤنی کی عمارتیں اور فوجیوں کی بیرکیں انہی اینٹوں سے بنائی گئی تھیں۔

باواہری داس کی باؤلی

چک جمال روڈ پر مغرب کی طرف جہاں پر اب مہاجرین کا قبرستان بنا ہوا ہے ایک خوبصورت باؤلی (سیڑھی دار کنواں) بنی ہوئی تھی۔ اسے لوگ باوے کی بَنْ کہا کرتے تھے۔ اس باؤلی کی تقریباً بیس سیڑھیاں تھیں جو اب نظر نہیں آتیں۔ شاید لوگ انہیں اکھاڑ کر لے گئے ہیں اس باؤلی پر ایک گؤشالہ بنا ہوا تھا۔ اب یہ بھی معدوم ہو چکا ہے ۱۸۶۰ء میں یہاں ایک ہندو فقیر باواہری داس قیام پذیر تھے جن کے متعلق مشہور تھا کہ انہوں نے بیس سال تک اناج نہیں چکھا تھا صرف جڑی بوٹیوں پر گزارہ کرتے تھے۔ وہ اپنے وقت کے ایسے بڑے جوگی تھے کہ مہاراجہ کشمیر بھی ایک بار ان کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور ریاست کشمیر و جموں کا مدارالمہام دیوان کرپارام بھی اکثر ان کے پاس آیا کرتا تھا۔ یہاں پر بسنت کے موقع پر ایک میگ ہوتا تھا۔ جس میں

ہزاروں لوگ شریک ہوا کرتے تھے۔ اور باؤلی پر دو دن تک میلہ لگا رہتا تھا۔ لیکن اب باوا کی اس بن پر شہر خموشاں آباد ہے اور کبھی کبھار کوئی شخص فاتحہ خوانی کے لئے اس طرف آنکلتا ہے۔

نوٹ یہ تحریر جناب صوفی محمد دین ذار کی کتاب تذکرہ جہلم سے حاصل ہوئی جو لفظ بلفظ تحریر ہے مکمل ناتھ جوگ کا سلسلہ اسی کتاب سے حاصل کیا گیا ہے۔

باوا شام ناتھ

گزشتہ اوراق میں ٹلہ کے ناتھ جوگیوں پر تفصیل سے روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ اب قارئین کو کالا کے ناتھ جوگیوں سے متعارف کرواتا ہوں۔ آپ سوچتے ہوں گے کہ یہ بھی عجیب قسم کا مسلمان ہے کہ گھوم پھر کر ٹہلتا ٹہلتا پھر ہندوؤں بزرگوں کے استھان پر آماتھا ٹیکتا ہے میرے دوستو! آپ کا شکوہ بجا بے شک میں من کا موجی اور دل کا راجہ ہوں۔ اور فقیرانہ مزاج رکھتا ہوں حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

حافظا! گر وصل خواہی صلح کن با خاص و عام

بامسلماں اللہ اللہ! با برہمن رام رام!

اور میرا بھی یہی مسلک ہے لیکن آپ گھبرائیں نہیں میں آپ کو مایوس نہیں کروں گا بلکہ آپ کے معیارِ نظر پر پورا اُتروں گا۔

باوا ناتھ کالا والے' ٹلّہ کے اچھاناتھ جوگی کے چیلے تھے' اچھا ناتھ جب سورگ باش ہو گئے تو ان کی گدی پر پیارا ناتھ جوگی بیٹھے تھے۔ جب وہ سالانہ یگ منا رہے تھے اور ٹلہ پر عقیدت مندوں کا ہجوم تھا تو ایک عورت اپنے ننھے منے معصوم بچے کو اپنی گود میں لے کر پیارا ناتھ کی خدمت میں دعائے خیر حاصل کرنے کی غرض سے حاضر ہوئی گورو نے دعا دی۔ لیکن دعا کے بعد دفعتاً معصوم بچے کا گلاب سا چہرہ مرجھا گیا اور

بچہ عورت کی گود میں پہنچ کر ہمیشہ کی نیند سو گیا۔ یہ دلخراش منظر دیکھ کر ماں کی مامتا تڑپ اٹھی۔ اس عورت نے رو رو کر اور چیخیں مار مار کر سب کو پاگل کر دیا۔

شام ناتھ قریب ہی بیٹھے یہ منظر دیکھ رہے تھے اس درد ناک سانحہ نے ان کے دل پر بڑا گہرا اثر کیا۔ اور وہ بچے کو ماں کی گود سے چھین کر اپنے آسن (عبادت گاہ) میں لے گئے اور بھگوان سے اس کے دوبارہ جیون کی بھیک مانگی اور کہنے والے کہتے ہیں

بھگوان سے الگ نہیں بھگتی پریم کی

آپ کی دعا سے یہ مرجھایا ہوا غنچہ پھر شگفتہ ہو گیا

جلا سکتی ہے شمع کشتہ کو موج نفس ان کی!

الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہل دل کے سینوں میں

اقبالؒ

آپ نے بچہ ماں کے حوالے کر دیا اور دُکھیا ماں کا چہرہ فرط مسرت سے جگمگا اٹھا۔ پیارا ناتھ یہ منظر دیکھ کر غصہ سے آگ بگولہ ہو گئے لال پیلی آنکھیں نکال کر شام ناتھ سے کہنے لگے "اے شام ناتھ تو نے یہ کیا غضب کیا' بھگوان کے کام میں کیوں دخل دیا ہے۔ فقیر کا مذہب رضا پر راضی رہنا ہے چل یہاں سے دور ہو جا پیارا ناتھ کے قہر آلود الفاظ سن کر' شام ناتھ ٹلہ سے نیچے اتر آئے اور غربی محلہ کے تالاب کے کنارے آ کر بیٹھ گئے اور گیان دھیان کی وادیوں میں کھو گئے۔ آپ سے فیض حاصل کرنے کے لئے ٹلہ کے جوگی بھی آیا کرتے تھے اور میں خود اپنی آنکھوں سے یہ ہاتھی بڑ کے درختوں کے نیچے بندھے ہوئے دیکھا کرتا تھا۔

بابا شام ناتھ ٹلہ سے کون سے سن میں کالا تشریف لائے اور کتنا عرصہ زندہ رہے یہ کوائف کہیں سے بھی دستیاب نہ ہو سکے۔ البتہ ۱۹۳۴ء میں آپ وفات پا گئے اور آپ کی سمادھ چھپڑ کے کنارے جہاں آج کل گرلز پرائمری سکول نمبر۲ بنا ہوا ہے بنا دی

گئی تھی آپ کی سمادھ کے سامنے ایک بیری تھی جس سے بڑا لذیز اور شیریں دودھ نکلتا تھا۔ محترم سردار محمد عظیم صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے بھی بچپن میں یہ دودھ پیا تھا۔ اکثر مائیں اپنے بچوں کو یہ دودھ باوا صاحب کا تبرک سمجھ کر پلاتی تھیں۔ باوا صاحب ہر سال یگ بھی کیا کرتے تھے۔ اس موقع پر بڑی رونق ہوا کرتی تھی۔ ہندوؤں کے علاوہ مسلمان بھی نیاز لینے کے لئے جایا کرتے تھے۔ سمادھ کے قریب جنوب کی طرف ایک کنواں ہے جو اس وقت ایک رہٹ تھا اس کنوئیں کے اندر ایک چھوٹی سی تختی پر "کالا پھولاں والا" لکھا ہوا ہے۔ اب اس تختی پر گردو غبار کی تہیں جم گئی ہیں۔ لیکن ۱۹۷۳ء میں تختی پروفیسر محمد امین' طرب احمد صدیقی نے خود پڑھی تھی لیکن اب تک یہ بات ایک معمہ بنی ہوئی ہے کہ تختی پر "کالا پھولاں والا" کیوں لکھا ہوا تھا کچھ لوگوں کی قیاس آرائیاں ہیں کہ کالا گوجراں کا پرانا نام "کالا پھولاں والا" تھا۔

باوا شام ناتھ کے سورگ باش ہو جانے کے بعد ان کی گدی پر ان کا چیلہ الائچی ناتھ بیٹھا تھا۔ اور الائچی ناتھ کی وفات کے بعد "دوار کا ناتھ" مسند نشین ہوئے تھے یہ کالا گوجراں کے آخری ناتھ تھے آپ پاکستان بننے سے کچھ ماہ پیشتر ہندوستان تشریف لے گئے تھے۔ باوا شام ناتھ کی سمادھ کی لوح پر یہ عبارت کندہ تھی۔

"یہ پر کرماد فرش سنگ مرمر' ہری چند ملہوترا کی دیانتداری و محنت کے صلہ میں بطور یاد گار لیفٹیننٹ کرنل ایف "میکڈ ملڈ" نے طیار کروائی

لوح پر ہندی زبان میں یہ عبارت بھی کندہ ہے

سمادھ کی پیشانی پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی

یاد گار سمادھ جے باواشام ناتھ

اور دوسرے دروازے کے ماتھے پر یہ الفاظ لکھے ہوئے تھے

یاد گار سمادھ پیر شام ناتھ صاحب

موج راج رادھا کشن بزچال

بیوہ بھائیاں دیوی سکنہ کالا گوجراں ضلع جہلم

۱۹۳۷-۱-۱ء

متفرقات

کشمیری کانفرنس

۱۹۲۷ء میں کالامنڈی میں کشمیری کانفرنس کا ایک عظیم الشان اجلاس خان محمد صاحب راولپنڈی والے کی زیر صدارت منعقد ہوا تھا۔ مرزا قطب الدین ایڈووکیٹ راولپنڈی نے سٹیج سیکرٹری کے فرائض سرانجام دیئے تھے۔ اس جلسہ میں ضلع گجرات' جہلم' گوجرانوالہ' لاہور' سیالکوٹ' اور راولپنڈی کے مشہور اکابرین نے شرکت کی تھی۔ گوجرانوالہ کے مشہور مولوی اور شاعر عبدالعلی عرف حافظ جھنڈا نے تلاوت قرآن پاک اور نعت خوانی کی تھی اور کشمیری برادری کی شان میں ایک معرکہ آراء نظم بھی پیش کی تھی۔ گوجرانوالہ کے مشہور جج اور سابق گورنر پنجاب دین محمد کے برادر خورد عطا محمد اور راولپنڈی کے قطب الدین وکیل نے بھی اجلاس سے خطاب کیا تھا۔ اس جلسہ میں پہلوان گونگا' سترا' رحیم بخش' کالا اور رستم زماں گاماں گرز سمیت شامل ہوئے تھے۔

اس کانفرنس کے انعقاد کی وجہ یہ تھی کہ گورنمنٹ برطانیہ نے کشمیریوں کو زمین کے حق سے محروم کر دیا تھا۔ اور فوج میں صوبیداری کے عہدہ سے آگے کشمیریوں کو ترقی نہ دی جاتی تھی۔ اس کانفرنس میں کشمیری اکابرین نے تاریخی شواہد کی روشنی میں یہ ثابت کیا تھا کہ کشمیری ذات نہیں بلکہ خط کشمیر سے تعلق رکھنے کی وجہ سے کشمیریوں

کو کشمیری کہا جاتا ہے کشمیریوں کے باقاعدہ شجرے ہیں اور ان میں ان کی ذاتوں کے اندراج اور وجہ تسمیہ سب کچھ لکھا ہوا ہے مثلاً ڈار' لون' بٹ ' سردار اور میر وغیرہ وغیرہ اس نوعیت کی کانفرنس صرف کالا تک محدود نہیں تھی بلکہ اس کا دائرہ پورے پنجاب تک پھیلا ہوا تھا۔ ان کانفرنسوں کے انعقاد کا مجموعی طور پر یہ اثر ہوا کہ برطانوی حکومت نے کشمیریوں کے مطالبات مان لئے۔ ان کانفرنس کا انتظام کرنے والوں میں سردار محمد یعقوب' سردار قائم دین' ٹھیکیدار امام دین قریشی' حاجی احمد دین بزاز' پہلوان امام دین عرف بامو خان' جمعدار اللہ دتہ' بابا عبدالرحمٰن عرف بابا رحمانیاں' ٹیلر ماسٹر دل محمد مرحوم جمعدار پیر بخش' آغا غلام نبی بھٹی' اور چک براہم کے بابا فضل دین کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

تحصیل جہلم

تحصیل جہلم میں پوٹھوہار' بوگی حد' پنج گرائیں اور دریائی علاقہ شامل ہے۔

پوٹھوہار

یہ علاقہ تھانہ سوہاوہ سے شروع ہوتا ہے اور گوجر خاں سے ملحق ہونے کے باعث اسے سرزمین پوٹھوہار کا ایک حصہ تصور کیا جاتا ہے۔ اس علاقہ کے لوگ پوٹھوہاری بولی بولتے ہیں۔ یہ علاقہ نیم پہاڑی ہے اس علاقہ کے مشہور مقامات حسب ذیل ہیں۔ سوہاوہ' سرکڈھن' پڑی درونزہ اور لہڑی۔

لہڑی

یہ گاؤں مغل بادشاہ شاہجہان نے آباد کیا تھا۔ اس قصبہ میں شاہجہان کے بنائے ہوئے قلعہ کے کھنڈرات اب بھی موجود ہیں۔ عبدالرحمان سلیم مدیر ہفت روزہ "آواز" جہلم' راجہ محمد طارق مصنف تاریخ گکھڑاں اور مقصود ڈی سی ریٹائرڈ اس قصبہ

کی مشہور ہستیاں ہیں۔

علاقہ پنجگرائیں

یہ علاقہ "دینہ" ٹاؤن سے جنوب مغرب کی طرف تقریبا دس دیہات پر مشتمل ہے۔ یہ اچھا خاصا زرخیز علاقہ ہے اور اس علاقہ میں گجر قوم کے پانچ مشہور گاؤں پائے جاتے ہیں۔ اسی لئے یہ علاقہ "پنج گرائیں" کے نام سے مشہور ہے۔

دریائی علاقہ

یہ علاقہ تاریخی گاؤں دارا پور سے لے کر منگلا کے قریب تک پھیلا ہوا ہے۔ ٹلہ جوگیاں اور کالو وال کی پہاڑیاں اسی علاقہ میں پائی جاتی ہے۔ اس علاقہ کے مشہور گاؤں کے نام حسب ذیل ہیں۔

دارا پور، بدلوٹ، ملوٹ، نوگراں، سنگھوئی، سعیلہ، جہلم چھاؤنی، جہلم شہر، ٹاہلیانوالہ، چک دولت، میرا، جکر، پنڈی ملا حاں، پتن گنائی، کیڑی افغاناں، ننگروٹ شیخوپورہ، ساگری، چک عبدالخالق، مدوکالس، دینہ، رہتاس، چک عقہ، راٹھیاں، ٹھی گجراں، ٹھی مغلاں، لنگر پور، گھرمالہ، چسن، موہن، کونتریلہ، گجرپور، کالا گجراں، چک براہم، شمس پور، چک جمال ور دھنیالہ وغیرہ

دارا پور

دارا پور ایک قدیم تاریخی قصبہ ہے۔ اسے ایران کے بادشاہ دارائے اول (دارا گشتاسپ) نے تقریبا ۵۱۶ قبل مسیح میں آباد کیا تھا۔

اس زمانہ میں دارائے اول کی حکومت کا دائرہ ایران سے لے کر کابل، پنجاب اور سندھ تک پھیلا ہوا تھا اور اس نے یونان پر بھی فوج کشی کی تھی۔ ماضی میں محکمہ آثار قدیمہ کے کارکنوں کو یہاں سے دارا گشتاسپ اور سکندر اعظم کے سکّے ملے تھے۔

یہ گاؤں راجہ قوم کا گڑھ ہے۔

راجہ طالب مہدی ' راجہ افضال مہدی' راجہ پینداخاں اور راجہ خیر مہدی یہاں کی مشہور اور ممتاز شخصیتیں گزری ہیں۔ مجلس شوریٰ کے رکن' مسلم لیگ کے پرانے رہنما راجہ لہرا سب خاں کا بھی یہی گاؤں ہے۔ ہندوپاک کے مشہور شاعر اور روزنامہ "زمیندار" لاہور کے عظیم صحافی مولانا ظفر علی خاں مرحوم کے والد گرامی بھی اسی گاؤں کے باشندے تھے۔ جو ہجرت کر کے کرم آباد چلے گئے تھے۔

بدلوٹ

بدلوٹ' گکھڑ' کیانیوں کا مشہور گاؤں ہے یہ قصبہ شہر جہلم سے تقریباً آٹھ میل دُور جہلم ' داراپور روڈ کے شمال میں واقع ہے عام روایت کے مطابق اس گاؤں کا بانی راجہ بدلی خان ہوا ہے۔ اس بزرگ نے اس گاؤں کا نام اپنے نام کی نسبت سے بدلی اوٹ' رکھا تھا۔ جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بدلوٹ کی شکل اختیار کر گیا۔ اس گاؤں کے سینے میں گکھڑ قوم کی بہادری اور جہاں بانی کی ہزاروں داستانیں پوشیدہ ہیں یہ گاؤں آٹھ سو سال سے عسکری خاندانوں کا مرکز چلا آ رہا ہے قیام پاکستان سے لے کر آج تک اس گاؤں کے بہادر اور جیالے انسان اپنے ملک کا دفاع کرنے میں سب سے آگے رہے ہیں۔ ایئر کموڈور رئیس کیانی' کرنل رشید کیانی' ایس جے ونگ کمانڈر غلام احمد کیانی میجر ریٹائرڈ غلام یونس کیانی' راجہ محمد افضل سابقہ سیکرٹری حکومت پنجاب اور راجہ عجب گل ماسٹر کا شمار بدلوٹ کی قابل ذکر ہستیوں میں ہوتا ہے۔

سنگھوئی

سنگھوئی کا قصبہ بھی ایک تاریخی قصبہ ہے۔ ماضی میں محکمہ آثار قدیمہ کو یہاں سے سکندر اعظم اور "ساکا" بادشاہوں کے سکے ملے تھے۔ نیز محمد بن قاسم اور سلطان التمش کے سکے بھی یہاں سے دستیاب ہوئے تھے۔ سنگھوئی کے قصبہ کی اصل شہرت کا سبب

حضرت اکبر علیؒ لقب "چنبی سرکار" کا مزار اقدس ہے۔

آپ قادری خاندان کے مشہور روحانی بزرگ حضرت نوشہ گنج بخش قادری رحمتہ اللہ علیہ کی اولاد سے ہیں اس وقت آپ کے دربار کے سجادہ نشین حضرت محبوب حسین شاہ ہیں۔ جو ایک فقیر منش شاعر ہیں اور روحانیت کے ایک بلند مقام پر فائز ہیں آپ کے والد محترم سلطان ہادی حسین مرحوم تحریک پاکستان کے ایک جانباز سپاہی تھے۔

صاحبزادہ امجد حسین، صاحبزادہ احمد حسین، صاحبزادہ اظہر کمال، راجہ غضنفر علی، رئیس اعظم سنگھوئی اور اُردو اور پنجابی کے مشہور منظور الحسن نجمی برلاس اس قصبہ کی قابل ذکر ہستیاں ہیں۔

مرزا عبدالحمید سکنہ جنجر (نزد سنگھوئی) پرانے خاکسار ہیں۔ آپ کا شمار حضرت علامہ مشرقی کے جانثاروں میں ہوتا ہے۔

آپ صدر ایوب کے عہد میں مشیر مذہبی امور تھے۔ نھوال (نزد سنگھوئی) میں سائیں غریب عرف سائیں غریبو اس علاقہ کے مشہور مجذوب تھے۔

ٹاہلیاں والا

زمانہ، ماضی میں یہاں پر شیشم کے درختوں کی بہتات تھی ۔ اس لئے اس جگہ کا نام ٹاہلیاں والا پڑ گیا۔ ٹاہلیاں والا کی اصل شہرت کا سبب حضرت میراں حیدر علی شاہ کا مرقدِ پُرنور ہے آپ احمد شاہ ابدالی کے دور میں سرزمین جہلم کے قطب تھے۔

اور بقول محمد فاضل عارف صاحب، مصنف "بحرالفیض حیدری"

. احمد شاہ ابدالی جب سکھوں کی سرکوبی کے لئے پاک و ہند پر حملہ آور ہوا تھا تو وہ پہلے حضرت میراں حیدر علی شاہؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر طالب دعا ہوا تھا۔ آپ کے مزار پر دیسی مہینہ اساڑھ کی پہلی جمعرات کو میلہ لگتا ہے۔

۱۹۶۶ء میں گورنمنٹ ڈگری کالج جادہ سے یہاں پر منتقل ہونے کے بعد اس کی

اہمیت بہت بڑھ گئی ہے۔ اور اب تو اس کی حدود میں کئی سرکاری دفاتر بھی قائم ہو چکے ہیں۔

پتن گٹالی

پتن گٹالی کا قدیم نام گھاٹ والی تھا۔ یہاں کے معمر ترین بزرگ کہتے ہیں کہ سکندر اعظم نے دریائے جہلم کو پتن گٹالی کے مقام سے عبور کیا تھا۔

اور "سکندر اعظم" نامی کتاب کی عبارتیں بھی سکندر کے دریا عبور کرنے کے متعلق پتن گٹالی کے قریب کسی مقام کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

پتن گٹالی ایک پرانا تاریخی مقام ہے۔ قلعہ رہتاس کے ایک دروازے کا نام بھی گٹالی دروازہ ہے اس دروازے کا رخ پتن گٹالی کی طرف ہے۔ کپتان محمد اسلام پتن گٹالی کی ایک مشہور اور ممتاز شخصیت ہیں۔ ماضی قریب میں آپ کے والد گرامی مولانا امام دین صاحب مرحوم اس علاقہ کے صاحب اثر و رسوخ بزرگ ہو گزرے ہیں۔

جکر

جکر بڑا مشہور و معروف قصبہ ہے اور دینی لحاظ سے اس علاقے کا ایک اہم مقام ہے ماضی قریب میں مفتی رشید احمد ارشد کے والد گرامی حضرت مولانا امت رسول نے جکر میں ایک دینی درسگاہ بہ نام "مدرسہ عثمانیہ تعلیم الاسلام" قائم کیا تھا۔ اس مدرسہ کے موجودہ مہتمم جناب مفتی رشید احمد ارشد ہیں آپ کالا گجراں کی مدنی مسجد میں بھی خطابت کے فرائض سر انجام دے چکے ہیں۔ آپ بڑے جوشیلے اور بے باک قسم کے خطیب ہیں اور حق گوئی کے جرم میں کچھ ایام کال کوٹھڑی میں بھی گزار آئے ہیں۔

ٹھٹھی مغلاں

اس گاؤں کی بنیاد بقول جناب مرزا اعظم بیگ کے ان کے جد امجد نے اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں رکھی تھی۔ اس گاؤں کی اکثریت فوجی ذہن رکھتی ہے۔ ماضی قریب میں مرزا محمد اعظم بیگ اس علاقہ کے ایک صاحب اثرورسوخ بزرگ گزرے ہیں۔ آپ انجمن اسلامیہ کالا گجراں کے رکن بھی تھے۔ اس وقت آپ کے شیر دل فرزند مرزا عباس بیگ ریٹائرڈ بریگیڈیئر اس علاقہ کے مشہور و ممتاز انسان ہیں۔ آپ ایک مخلص سماجی کارکن ہیں اور اکثر رفاہی کاموں میں حصہ لیتے رہتے ہیں۔ آپ کالا گجراں کی تعلیمی کمیٹی کے صدر بھی رہ چکے ہیں آپ کے فرزند مرزا زمرد بیگ ڈاکٹر ہیں۔ مرزا ازنیب بیگ اور سکول ماسٹر مرزا نواز بیگ دونوں بڑا پاکیزہ ادبی ذوق رکھتے ہیں مرزا نواز بیگ انجمن غلامان رسول کالا گوجراں کے سیکرٹری بھی رہ چکے ہیں۔

مرزا اسحاق بیگ اور مرزا اشرف بیگ بھی اس گاؤں کی قابل ترین ہستیاں ہیں۔

گجرپور

اس گاؤں کی شہرت کی سبب یہ ہے کہ کالا گوجراں کا ریلوے اسٹیشن اس گاؤں کی حدود میں واقع ہے۔ نیز گجرپور اور کالا گوجراں میں صرف چند گزوں کا فاصلہ ہے اور جی ٹی روڈ ان دونوں کے درمیان سے گزرتی ہے اور انہیں جدا کرتی ہے۔

اس گاؤں میں حضرت بگا شیرؒ کا مزار پر انوار ہے۔ ماضی قریب میں چوہدری سردار خان مرحوم اور چوہدری محمد حسین مرحوم اس گاؤں کی مشہور ہستیاں گزری ہیں۔

غلام رسول ڈار صاحب ٹھیکیدار جہلم کینٹ، ٹھیکیدار محمد افضل، چوہدری رحم داد،

چوہدری محمد فاضل اور جناب امام دین ڈی ایس پی کا شمار اس گاؤں کے اکابرین میں ہوتا ہے۔

دینہ

دینہ شہر کئی تہذیبوں کا امین ہے۔ یہ پنجاب اور آزاد کشمیر کے درمیان ایک دروازہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ قدیم زمانے میں یہ گکھڑوں کی جولانگاہ تھا۔ رہتاس کے چودہ ٹپوں میں ایک ٹپے کا یہ بھی بازو رہا ہے۔ عوامی روایت اسے سلطان محمود غزنوی کے دور کی آبادی قرار دیتی ہے۔ بابا دین محمد عرف دینی محمود غزنوی کے لشکر کے ایک سپاہی تھے اور دشمنوں کے ساتھ لڑتے ہوئے شہید ہو گئے تھے۔ یہ گاؤں انہی کے نام سے منسوب ہے۔

اور دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت پیر انشاہ غازی قلندرؒ کے خلیفہ حضرت دین محمد اس قصبہ کے بانی تھے۔ لیکن ان تمام واقعات کی کوئی تاریخی شہادت موجود نہیں۔

دینہ غلہ اور سبزی کی مشہور منڈی ہے اور تحصیل جہلم کا ایک تجارتی مقام ہے۔ یہاں کے باشندے تجارتی ذہن رکھتے ہیں اور انہیں مذہب سے بھی اچھا خاصا لگاؤ ہے۔ یہاں پر مذہبی تعلیم کو فروغ دینے کے لئے متعدد دینی درسگاہیں پائی جاتی ہیں یہاں پر دیو بندی مسلک کے علمبردار مولانا محمد شریف احرار ہیں دینہ میں بریلوی مکتب فکر کے داعی حضرت مفتی عزیز اللہ ہیں۔ آپ بڑے فصیح و بلیغ اور شعلہ بیان خطیب ہیں۔ دینہ میں علم و ادب کا کوئی خاص چرچا نہیں۔ ۱۹۶۰ء میں یہاں پر ایک ادبی انجمن موجود تھی۔ مرزا فرحت' مرزا راحت اور بشیر احمد چغتائی مرحوم اس انجمن کے سرگرم رکن تھے۔ اس انجمن کے زیر اہتمام کئی شاندار مشاعرے بھی منعقد ہوئے تھے۔

اگرچہ اب بھی دینہ میں محمد حنیف شوق اور قادر الکلام شاعر جناب عبدالقادر صاحب

موجود ہیں لیکن یوں محسوس ہوتا ہے کہ دینہ کی تجارتی سرگرمیوں نے ادبی دلچسپیوں اور رنگینیوں کو دبایا ہوا ہے۔ دینہ شہر میں حسب ذیل ہستیاں کئی حیثیتوں سے قابل ذکر ہیں۔

ملک غضنفر علی ساکن مُفتیاں، یہاں کے ایک مخلص سماجی کارکن ہیں۔ آپ روشن اور ترقی پسند خیالات کے حامل ہیں۔ بشیر حقانی، مسٹر عبدالروٴف، راجہ قمرالزمان صدر ٹال ایسوسی ایشن، جناب عبدالحمید نظامی، میاں محمد اکبر، ڈاکٹر قاسم اور اسحاق علی صدر زکواۃ و عشر کمیٹی۔ ان ہستیوں کے علاوہ چوہدری فضل الٰہی تاجپوری علم و فضل و جود و سخا میں دینہ کی ایک منفرد ہستی ہیں۔

دینہ میں گجروں کی گوت "میانہ" کی اکثریت ہے اور کشمیری برادری کا بھی اچھا خاصا اثر و رسوخ ہے اور دینہ کی شیخ برادری بہت ہی مشہور ہے۔

لنگرپور

لنگرپور ایک تاریخی گاؤں ہے۔ اس گاؤں کی بنیاد کالا گجراں کے بانی سلیمان پسوال کے بڑے لڑکے، جوگی، نے سلیم شاہ سوری کے عہد میں رکھی تھی۔ لنگرپور کے بانی جوگی کو ٹلہ کے جوگیوں سے بڑا لگاؤ تھا اور یہ خود بھی ایک فقیر منش انسان تھا لنگرپور کی شہرت کا سبب حضرت میاں غلام حسنؒ کا مرقد پُرنور ہے۔ آپ نے ۱۸۸۶ میں وفات پائی تھی۔ آپ اپنے زمانے کے صاحب کرامت بزرگ گزرے ہیں۔ آپ کے فرزند میاں قادر اور ان کے بیٹے میاں محمد شفیع بھی پارسائی، خداپرستی اور سادگی کے لحاظ سے قابل احترام ہستیاں تھیں۔ اس وقت لنگرپور میں جناب چوہدری رحمت الٰہی جو کہ ایک سکول ماسٹر ہیں علم و فضل اور انسان دوستی میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ وہ بے شمار خوبیوں اور اوصاف حمیدہ کے حامل ہیں۔

ان کے علاوہ چوہدری محمد سلیم ایڈووکیٹ چیئرمین یونین کونسل مونن' چوہدری محمد فیروز مالک کسان آئس فیکٹری' چوہدری ظفر احمد پلیٹیئر ریلوے ۔ چوہدری قمر دین ریٹائرڈ پوسٹ ماسٹر کا شمار اس گاؤں کے اکابرین میں ہوتا ہے۔

اُردو اور پنجابی کے مشہور و ممتاز شاعر شہزاد قمر بھی لنگر پور ہی کے رہنے والے ہیں۔ کبڈی کے معروف کھلاڑی میاں لنگر پوری اور تلیاں کھیلنے والا عوامی کھلاڑی جہاندار عرف جھاناں بھی لنگر پور ہی کے معروف کھلاڑی ہیں جن کے چرچے آج بھی لوگوں کی زبانوں پر ہیں۔

چک جمال

چک جمال ایک مشہور و معروف گاؤں ہے اور یہ کالا گجراں سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر شمالی مشرقی گوشے میں واقع ہے۔ اس کی بنیاد کالا گجراں کے بانی سلیمان پسوال کے لڑکے جمال نے سلیم شاہ سوری کے عہد میں رکھی تھی۔ چک جمال کو تمام شہری سہولتیں حاصل ہیں۔ یہاں بنک بھی ہیں ہوٹل بھی اور ڈاک خانہ بھی مڈل اور ہائی سکول بھی اور بجلی کا بھی انتظام ہے اس گاؤں کی شہرت کا سبب "رانی باہ" بھی ہے جسے پنجابی میں "رانی واہ" کہتے ہیں۔ موسم برسات میں رانی باہ میں اس قدر طغیانی آتی ہے کہ آمدورفت کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ رانی کی یہ نہر کافی عرصہ سے ایک طغیانی نالے کی شکل اختیار کئے ہوئے ہے۔

رانی باہ وہ خونخوار نہنگ ہے جو کئی سائیکلیں' گاڑیاں' مویشی اور انسانی جانیں نگل چکا ہے۔

قدیم زمانے میں گھکڑ خاندان کی ایک رانی نے یہ نہر بنوائی تھی۔ چک جمال' چک عبدالخالق اور کئی دوسرے چکوں کی زمینیں اس کے پانی سے سیراب ہوتی تھیں

لیکن پرانے زمانے میں ان چکوں کے نام موجودہ ناموں سے مختلف تھے۔

بوگی حد

تحصیل جہلم کا اندرونی حصہ بوگی حد علاقہ یا بوگا حد کہلاتا ہے۔ اس علاقے میں گھکڑوں کی اکثریت ہے یہ علاقہ قابل کاشت نہیں کیونکہ یہ کٹا پھٹا اور نیم پہاڑی علاقہ ہے۔ البتہ یہاں پر چراگاہیں پائی جاتی ہیں۔ اس لئے لوگ بھیڑ بکریاں کثرت سے پالتے ہیں موسم برسات میں اس علاقے کے نالوں میں طغیانی آجانے سے ذرائع آمدورفت تقریبا منقطع ہو جاتے ہیں۔ اس علاقے کی معاشی حالت سدھارنے کے لئے حکومت پاکستان نے آج سے چھ برس پہلے بوگی حد ڈویلپمنٹ پراجیکٹ قائم کیا تھا لیکن یہ پراجیکٹ ابھی عملی کاروائی سے محروم ہے۔ تھانہ ڈومیلی' پدھری' بڑا گواہ' اڈرانا اور بڑا گراں اس علاقے کے قابل ذکر قصبات ہیں۔

اڈرانا کے راجہ محمد مشتاق یونین کونسل کالا میں بحیثیت سیکرٹری کام کرتے رہے ہیں آپ بڑے خوش اخلاق اور محنتی انسان ہیں۔ آپ کا تاریخی مطالعہ بڑا وسیع ہے۔

ڈومیلی

ڈومیلی قدیم زمانے سے گھکڑوں کا ایک اہم مقام چلا آ رہا ہے۔ یہاں کے راجہ شیر محمد کرنل مرحوم اس علاقہ کے ایک صاحب اثر و رسوخ تھے۔ آپ نے دو مرتبہ گول میز کانفرنس لندن میں شرکت کی تھی۔ آپ کا ایک فرزند وطن عزیز کا دفاع کرتے ہوئے ۱۹۷۱ء میں شہید ہو گیا تھا۔ راجہ عظمت کمال' اسد کمال اور طارق کمال ریٹیر ایڈمرل پاکستان نیوی اللہ کے فضل سے بقید حیات ہیں۔ راجہ عظمت کمال ایک سلجھے

ہوئے نوجوان سیاست دان ہیں۔ آپ مذہب اسلام سے کافی لگاؤ رکھتے ہیں۔ آپ ایک دلیر اور محنتی سماجی کارکن ہیں۔ آپ نے اپنے دورِ اقتدار میں ڈومیلی روڈ کو پختہ کروایا تھا۔ گورنمنٹ سے ایک نئے پرائمری سکول کے اجراء کی اجازت حاصل کی تھی اور اہل دینہ کے لئے گورنمنٹ سے واٹر ورکس سپلائی اسکیم منظور کروائی تھی۔ ان کاموں کے علاوہ آپ نے اور بھی کئی سماجی کارنامے سرانجام دیئے ہیں۔

ضلع جہلم کی علاقائی اور جغرافیائی تقسیم

ضلع جہلم، تحصیل چکوال، تحصیل پنڈ دادن خان اور تحصیل جہلم تین تحصیلوں پر مشتمل ہے۔

تحصیل چکوال

تحصیل چکوال لنڈی پٹی اور دھنی کے علاقہ پر مشتمل ہے۔ لنڈی پٹی میں ڈھن اور تکیہ شاہ مراد مشہور قصبے ہیں اور علاقہ دھنی کے مشہور قصبات حسب ذیل ہیں ڈھڈیال، کریالہ، ڈھاب، بھگوال، روپ دال، مہرو پیلو، سہگل آباد، کرسال، مرید، چکوال بلکسر، دھرابی، کلرکہار اور بھون۔

تحصیل چکوال میں دھنی کا علاقہ جرات و شجاعت، علم و ادب اور دلکشی و رعنائی کے لحاظ سے خلیفہ ہارون الرشید کے عہد کے بغداد روشن اور مشہور ہے۔ یہاں کی زمین زرخیز ہے لیکن کاشت کاری کا زیادہ تر انحصار بارش پر ہے۔

مونگ پھلی، تارا میرا، اور باجرہ یہاں کی پیداوار ہے۔ دھنی کے بیل اور زری جوتے سارے پاکستان میں مشہور ہیں۔ خانپور سے کوئلہ نکلتا ہے، چکوال، بلکسر اور کرسال سے معدنی تیل نکلتا ہے۔ دھنی کے علاقہ میں مغل، کسر، کہوٹ، قریش، مائر، منہاس، اعوان جنجوعہ اور گڈھوک شیخ کثرت سے آباد ہیں۔

کلر کہار

کلر کہار ایک جھیل کے کنارے آباد ہے "کہار" کا لغوی معنی تالاب یا جھیل ہے کلر جھیل یا کلر کہار کی لمبائی تقریباً ڈیڑھ میل اور چوڑائی تقریباً چھ فرلانگ ہے۔

اس کے ایک طرف لوکاٹ شہتوت' خوبانی' انار اور گلاب کے باغات ہیں اور دوسری طرف پہاڑیوں کا سلسلہ ہے۔ تیسری جانب میدانی علاقہ ہے اور چوتھی طرف کلر کہار کا تاریخی قصبہ آباد ہے۔ کلر کہار ایک مشہور تاریخی مقام' دلکش تفریح گاہ اور صحت افزاء مقام ہے۔ تاریخی کتابوں میں لکھا ہے کہ مغلیہ خاندان کے بادشاہ' کلر جھیل میں مرغابیوں کا شکار کھیلا کرتے تھے۔ کلر کہار میں قدرتی چشموں کی بہتات ہے۔

کلر کہار

چکوال' سرگودہا روڈ پر چکوال سے تقریباً سترہ میل کے فاصلہ پر واقع ہے یہاں پر اصلی گلاب کا باغ ہے یہاں کے لوگ اس گلاب سے عطر اور عرق کشید کر کے اس کی وسیع پیمانہ پر تجارت کرتے ہیں۔ ۱۵۱۴ء میں شہنشاہ ہند ظہیر الدین بابر نے بھی یہاں پر کچھ دن قیام کیا تھا۔ بابر نے یہاں پر ایک خوبصورت باغ لگوایا تھا۔ جس کا نام "باغِ صفا" رکھا تھا۔ انور بیگ اعوان کی تحقیق کے مطابق' باغِ صفا مغلیہ خاندان کا لگایا ہوا سب سے پہلا باغ ہے۔ یہاں پر تختِ بابری بھی ہے جسے اس دور کے سنگ تراشوں نے بڑے ماہرانہ انداز سے پہاڑ کی چٹان تراش کر بنایا تھا۔ اس سنگی تخت پر بیٹھ کر بابر نے اپنی فوج سے ایک عسکری خطاب کیا تھا۔

کلر کہار میں گندھک کا ایک چشمہ بھی ہے جس میں نہانے سے خارش اور دیگر جلدی بیماریاں رفع ہو جاتی ہیں ۔ خوش عقیدہ لوگ اسے ایک طلسماتی چشمہ سمجھتے ہیں کلر کہار سے تقریباً دو میل مشرق کی طرف کلر کہار ڈلوال روڑ کے کنارے ایک تاریخی

مقام ہے جسے عوام موئی کا باغ کہتے اس باغ کے قریب ہی ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے اور اس پہاڑی میں ایک غار ہے جسے یہاں کے لوگ بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی "کھوہ" کہتے ہیں۔ بابافرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ روایت ہے کہ ایک روز بابا صاحب علیہ الرحمتہ سفر کے دوران ایک کنوئیں پر پہنچے جہاں چند لڑکیاں پانی بھر رہی تھیں۔ آپ نے ان لڑکیوں سے کہا مجھے پیاس لگی ہے پانی پلاؤ۔ ان شریر لڑکیوں نے مذاق میں کہا کہ باباجی پانی کڑوا ہے۔ یہ سن کر باباجی نے کہا چلو کڑوا ہے تو کڑوا ہی سہی بابا صاحب یہ کہہ کر آگے چل دیئے۔ لڑکیاں اپنے برتن پانی سے بھر کر جب اپنے گھروں کو گئیں۔ تو پانی فی الحقیقت کڑوا ہو چکا تھا۔ لوگ بے حد پریشان ہوئے۔ جب لڑکیوں سے سارا قصہ سنا تو بابا صاحب کی تلاش شروع کر دی۔ تھوڑی ہی دور بابا صاحب کو ایک مقام پر مصروف عبادت پایا۔ جب بابا صاحب عبادت سے فارغ ہوئے تو یہ لوگ بڑے ادب سے بابا صاحب کو ملے اور عرض کی حضور بچیاں نادان تھیں ان سے خطا ہوئی ہے آپ براہ نوازش ان کی خطا معاف فرمائیں اور ہمیں میٹھا پانی عنائیت فرمائیں۔ بابا جی نے فقیرانہ جلال سے پہاڑی پر اپنا عصا مارا اور فورا میٹھے پانی کا ایک چشمہ پھوٹ پڑا۔

کلر کہار' اپنی جھیل اور اس کے کنارے سرسبز پھلدار باغات' تختِ بابری اور روضہ سخی ہو بہو کی وجہ سے دھنی کے علاقہ میں ایک دلکش تفریح گاہ ہے اور تاریخی مقام اور ایک مذہبی زیارت گاہ کے طور پر مشہور ہے اور دھنی ادب و ثقافت کے مصنف انور بیگ اعوان کے بقول شمس رانی اور ڈھول بادشاہ کا رومان بھی اسی جگہ پروان چڑھ کر لوک کہانی کا درجہ حاصل کر چکا ہے۔

پنڈ دادن خان

پنڈدادن خان کی بنیاد راجہ دادن خان نے رکھی تھی۔ اس نے پرانے شمس آباد کو از سرنو آباد کر کے اس کا نام پنڈ دادن خان رکھا تھا۔ ۱۸۴۹ء تک ضلع کے دفاتر پنڈ دادن خاں میں تھے۔ پنڈ دادن خاں کا علاقہ معدنی ذخائر سے مالا مال ہے۔ پنڈ دادن خان میں پھیرہ جالپ یا دہریالہ جالپ، کہون، تھل اور ونہار کے علاقے شامل ہیں۔

دہریالہ جالپ

یہ علاقہ پنڈدادن خان سے لے کر تحصیل جہلم تک پھیلا ہوا ہے اور اچھا خاصا زرخیز علاقہ ہے یہاں پر جالپ راجپوت قبیلے کے افراد کثرت سے پائے جاتے ہیں یہ علاقہ علم و ادب اور فنی لحاظ سے بھی ایک بے مثال علاقہ ہے۔ اس علاقے کا نام ڈریا والا ہے۔ موجودہ گاؤں سے پہلے یہاں پر ایک پرانا قبرستان تھا۔ جس میں پیر صحابہؒ نامی ایک بزرگ کا مزار ہے اور اب بھی موجود ہے یہاں کے عوام کہتے ہیں کہ پیر صحابہ کو حضور نبی کریمؐ نے بغرض اشاعت اسلام اس علاقہ میں بھیجا تھا۔ لیکن کسی تاریخی کتاب سے اس بات کی تصدیق نہیں ہوتی۔ دہریالہ جالپ کے قصبے حسب ذیل ہیں۔ جلالپور شریف، پنن وال، ہرن پور اور غریب وال، غریب وال سیمنٹ فیکٹری بھی اسی علاقہ میں بنی ہوئی ہے۔

جلالپور شریف

علامہ ابو الفضل آئین اکبری میں لکھتے ہیں کہ جلالپور، شہنشاہ ہند جلال الدین اکبر نے آباد کیا تھا اور اس قصبے کا نام اپنے نام کی نسبت سے جلالپور رکھا تھا۔ ماضی میں جلالپور دریائے جہلم کو عبور کرنے کا ایک پتن تھا اور اس کے قدیم باشندے ملاح تھے۔ جلالپور کے گردونواح میں قدیم بستیوں کے کھنڈرات پائے جاتے ہیں جو اس علاقہ کی

قدامت پر دلالت کرتے ہیں۔

جلالپور میں شہنشاہ ہند محمد تغلق نے ایک قلعہ گکھڑوں کی سرکوبی کے لئے تعمیر کیا تھا۔ اس قلعہ کے مقام پر اب پولیس سٹیشن بنا ہوا ہے۔ اس قلعہ میں ایک مسجد بھی ہے اور حضرت میراں شاکر شاہ کا مزار بھی۔ پاکستان بننے سے پہلے مزار کے قریب منگلا دیوی کا استھان تھا۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ دیوی منگلا ڈیم والی منگلا دیوی کی لڑکی تھی اور منگلا ڈیم والی منگلا دیوی راجہ پورس کی فقیر منش دختر تھی۔ لیکن کالا گوجراں کے کچھ بزرگ قسم کے ہندو کہا کرتے تھے کہ منگلا دیوی ایک ماورائی ہستی تھی۔ تقسیم ہند پاک سے قبل منگلا دیوی کے استھان پر ایک شاندار میلہ لگتا تھا۔

منگلا دیوی کے استھان کے علاوہ جلالپور شریف میں مندر شیولنگ' پاربتی کا مندر' سکھوں کا گوردوارہ اور مہادیو کے مندر' ہندوؤں کی مذہبی عبادت گاہیں تھیں۔ جلالپور کے بازار میں ایک جوگی دوارہ بھی تھا اور یہ جوگی دوارہ ٹلّہ کے جوگیوں کے ماتحت تھا۔

۱۹۴۴ء میں جوگی دوارہ کا آخری جوگی سروپ ناتھ تھا جلالپور شریف میں ان کی روحانیت کے چرچے تھے۔ ظہور پاکستان سے پہلے جلالپور شریف میں جوگی سروپ ناتھ حکیم رام پرشاد' ڈاکٹر ہری رام' لالہ دیپ چند (جو وائسرائے ہند کے دفتر میں سپرنٹنڈنٹ تھے) لالہ بودھ راج اور پنجابی شاعر مالک رام علم و ادب کے علمبردار تھے اور یہ بزرگ رفاہ عامہ کے کاموں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتے تھے۔

لیکن جلالپور شریف بنانے والی ہستی حضرت پیر حیدر علی شاہ رحمتہ اللہ علیہ کی تھی۔ جو اپنے دور میں علم و عرفان کے ایک نیّر تاباں تھے اور اس روحانی آفتاب کی ضو سے قصر پنجاب کے در و دیوار جگمگا رہے تھے۔ آپ کے فرزند حضرت مظفر علیشاہؒ اور ان کے صاحبزادے امیر حزب اللہ پیر محمد فضل شاہؒ بڑے بلند پایہ بزرگ ہو گزرے ہیں نیز سید انیس حیدر' سید تنویر حیدر' سید حسنات احمد اور سید امجد شاہ کا شمار اس علاقہ کی

عظیم شخصیتوں میں ہوتا ہے۔ اور پاکستان کے عظیم مفکر، مشہور مورخ، اور جلیل القدر مصنف علی عباس شاہ اسی شہر کے بطل جلیل ہیں زندگی کی صداقتوں کی تلاش اور ان کا برملا اظہار آپ کا شیوہ خاص ہے آپ کی بے شمار تصنیفات ہیں مثلاً روحِ عصر، اقبال کا علم الکلام مقالاتِ وارثؒ روایات فلسفہ عام فکری مغالطے کائنات اور انسانؒ آخر الذکر کتاب غیر مطبوعہ ہے آپ ضلع کے وہ بے باک مصنف ہیں جن کے علم و ادب کی دھاک دور دور تک بیٹھی ہوئی ہے۔

جلالپور شریف کی ایک اور ہستی بھی قابل ذکر ہے اور وہ ہستی غلام نبی قاضی صاحب کی ہے۔ آپ تاریخ جلالپور کے مصنف ہیں۔ آپ کا تعلق جلالپور کے علمی گھرانے سے ہے۔ آپ بڑے مخلص اور دیندار انسان ہیں۔

نوٹ جلالپور کے متعلق میں نے کچھ واقعات آپ کی "تاریخ گرجھاکھ" سے اخذ کئے ہیں

جلالپور شریف کے قریب "دتوچوہڑ" دت قوم کا ایک مشہور گاؤں ہے۔ بھارت کے مشہور اور ممتاز فلمی اداکار سنیل دت یہیں کے رہنے والے ہیں۔ ان کے اہلیہ آنجہانی نرگس بھارت کی فلمی دنیا میں چوٹی کی اداکارہ تھیں۔ اور یہ بھارتی پارلیمنٹ کی ممبر بھی تھیں۔

تھل

تھل کا علاقہ پنڈدادن خاں سے تحصیل خوشاب تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کے ایک طرف پہاڑ ہیں اور دوسری جانب دریائے جہلم ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ یہ ریتلا علاقہ ہے اسی لئے اسے تھل کہا جاتا ہے اس علاقہ کے مشہور قصبے احمد آباد، کھیوڑہ اور پنڈدادن خان ہیں کھیوڑہ میں دنیا کی سب سے بڑی نمک کی کان ہے ماضی میں یہ کان جنجوعہ قبیلہ کے سرداروں کی ملکیت تھی۔ جب شہنشاہ ہند جلال الدین اکبر نے کوہستان

نمک پر قبضہ کیا تو کچھ عرصہ تک اس کان کا انتظام راجہ مان سنگھ کو سونپ دیا گیا۔ جو اس وقت قلعہ رہتاس کا گورنر تھا۔ خالصہ راج میں راجہ رنجیت سنگھ نے اس پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور سکھوں کے بعد انگریز قابض ہو گئے تھے۔ اور اب حکومت پاکستان اس کان سے ہر سال تقریباً ساٹھ ہزار ٹن نمک نکالتی ہے یہ نمک صرف کھانے کے کام ہی نہیں آتا بلکہ اس سے کئی قسم کی دوائیں اور کیمیائی چیزیں بھی بنائی جاتی ہیں۔ کان کے اندر کا ماحول بڑا حیرت انگیز ہے۔ کاریگروں نے کان کے اندر نمک کی چٹانیں تراش کر ایک ہوٹل بنایا ہوا ہے اور اندر ایک تالاب بھی ہے۔

دھمیک

یہ قصبہ سوہاوہ شہر سے چھ میل شمال کی طرف واقع ہے۔ اس قصبہ میں شہاب الدین غوری کی قبر ہے۔ اکثر مورخین کے مطابق اس اسلامی جنرل کو کسی کافر گکھڑ نے اس مقام پر قتل کیا تھا۔ دھمیک کی مشہوری کا سبب صرف غوری کی قبر ہے۔

کھون

یہ پہاڑی علاقہ ہے۔ یہاں سے چونے کا پتھر، جپسم اور کوئلہ نکلتا ہے۔ کٹاس اور چوا سیدن شاہ اس علاقہ کے مشہور تاریخی مقامات ہیں۔

کٹاس کا ذکر میں عظمت رفتہ کے عنوان سے سابقہ اوراق میں کر آیا ہوں۔ کٹاس کا مقدس چشمہ پنڈ دادن خان سے سولہ میل کے فاصلے پر شمال کی جانب واقع ہے۔

چواء سیدن شاہ

یہ بڑا دلکش، خوبصورت، روح پرور صحت افزاء مقام ہے اس کی زمینیں چشمہ کٹاس کے پانی سے سیراب ہوتی ہیں۔ یہاں پر شہتوت، لوکاٹ اور گلاب کے باغوں کی کثرت ہے۔ یہاں کے لوگ فوجی مزاج رکھتے ہیں۔ اور یہاں پر جنجوعہ قوم کی اکثریت

ہے کلر کہار اگر غنچہ کشمیر ہے تو چواء سیدن شاہ ایک مکمل گل کدہ ہے۔

چواء سیدن شاہ ' چکوال' پنڈدادن خاں روڈ پر چکوال سے تقریباً اکیس میل کے فاصلے پر سلسلہ کوہسار کے درمیان ایک قصبہ ہے اس قصبہ کے باغوں میں گھومتا پھرتا چشموں کا پانی ایک دلکش اور سہانا منظر پیش کرتا ہے۔ ماضی میں اس قصبے کا نام جنڈیال تھا بعد میں حضرت سیدن شاہ شیرازی کے نام کی نسبت سے اس کا نام چواء سیدن شاہ پڑ گیا۔ یہاں پر حکومت پاکستان کے مختلف محکموں کے ریسٹ ہاؤس بنے ہوئے ہیں اور علاقہ کے امیر لوگوں نے یہاں پر اپنی خوبصورت رہائش گاہیں تعمیر کی ہوئی ہیں یہاں کا گلاب اس قدر خوبصورت اور عمدہ ہے کہ ماضی میں مغل بادشاہوں کی شہزادیاں گلاب کے پھول اور اس سے نکلا ہوا عرق اور عطر یہاں منگوایا کرتی تھیں۔ اب بھی یہاں عرق کشید کرنے کی بھٹیاں لگی ہوئی ہیں۔ موسم بہار میں پشاور سے لے کر کراچی تک کے طلباء سیروسیاحت کے شوقین یہاں کے قدرتی حسن سے لطف اندوز ہونے کے لئے آتے رہتے ہیں ہندوؤں کا پرانا مذہبی تیرتھ کتاس جواب کھنڈرات کی شکل اختیار کر چکا ہے یہاں سے صرف دو میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اپریل کے مہینے میں یہاں پر حضرت سیدن شاہ شیرازی کے مزار پر ایک شاندار میلہ لگتا ہے۔ اس تاریخی میلے کا اہتمام اور انتظام' ضلع کونسل جہلم کرتی ہے۔ سول اور سرکاری محکموں میں تعطیل ہوتی ہے۔

مصادر الکتاب

میری یہ کوشش سینکڑوں کتابوں پر پھیلے ہوئے میرے برسوں کے مطالعہ کا ماحصل ہے۔ ان تمام کتابوں کی فہرست مرتب کرنا میرے لئے مشکل ہے۔ تاہم ان میں سے نسبتاً" زیادہ مشہور کتابوں' رسالوں اور اخباروں کا نام درج ذیل ہے۔

۱۔ تحقیقات چشتیہ — نور احمد چشتی
۲۔ خلاصہ التواریخ — سجان رائے
۳۔ تاریخ رہتاس — مکراج
۴۔ تاریخ ہند
۵۔ آئینہ کشمیر — محمد عبداللہ قریشی
۶۔ مشہوران ہند — کرنل اصغر علی خاں
۷۔ ماہنامہ "معلومات" لاہور
۸۔ ماہنامہ "سیارہ ڈائجسٹ"
۹۔ تاریخ گرجھاکھ — قاضی غلام نبی
۱۰۔ روزنامہ "جنگ" راولپنڈی
۱۱۔ بحرالفیض حیدری — محمد فاضل عارف
۱۲۔ ہفت روزہ "قندیل" لاہور
۱۳۔ ہفت روزہ "جاگو" گوجرانوالہ
۱۴۔ جہاد زندگی — مولوی فیروز دین لاہوری مرحوم
۱۵۔ کتاب "تذکرہ جہلم" — صوفی زار
۱۶۔ سراج التواریخ — ناطق

نمبر	کتاب	مصنف
۱۷۔	تاریخ اقوام کشمیر	محمد دین فوق
۱۸۔	تاریخ پنجاب	کنہیا لال
۱۹۔	تاریخ گکھڑاں	محمد یعقوب طارق
۲۰۔	سکندر اعظم ہرلڈ لیمب (HARLD LAMB)	مولانا غلام رسول مہر
۲۱۔	آئینہ گجرات	شیخ کرامت اللہ
۲۲۔	ماہنامہ "لہراں" لاہور	
۲۳۔	دھنی ادب و ثقافت	انور بیگ اعوان
۲۴۔	گزیٹیئر ضلع جہلم مطبوعہ ۸۴۔۱۸۸۳ء	مسٹر تھامسن
۲۵۔	روزنامہ "نوائے وقت" راولپنڈی	
۲۶۔	ہفت روزہ "آواز" جہلم	
۲۷۔	ہیر رانجھا	وارث شاہ
۲۸۔	سخن وران جہلم	پروفیسر راحیل
۲۹۔	بوستان قلندری	ٹھیکیدار محمد جہلمی مرحوم
۳۰۔	رؤسائے پنجاب (چیفس آف پنجاب)	
۳۱۔	جغرافیہ ضلع جہلم	

ارضی و سماوی آفات اور جہلم

جہلم پر بلاؤں کا نزول

زلزلے ہیں، بجلیاں ہیں، قحط ہیں آلام ہیں
کیسی کیسی دختران مادر ایام ہیں

علامہ اقبال

پہلا قحط

جہلم میں پہلا تاریخی قحط ۱۷۸۰ء کے اوائل میں شروع ہوا اور ۱۷۸۳ کے اواخر میں ختم ہوا تھا۔ یہ تین چار سالہ قحط چالیسواں کہلاتا تھا۔ اس وقت جہلم اور اس کے مضافاتی علاقوں کے چشمے اور کنوئیں سوکھ گئے تھے۔ اور گندم ایک روپے کی اڑھائی سیر فروخت ہونی شروع ہو گئی تھی اس قحط میں بے شمار مویشی اور انسان ہلاک ہو گئے تھے۔ یہ اتنا بڑا قحط تھا کہ اس سے پہلے تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

دوسرا قحط

دوسرا قحط ۱۸۱۳ء میں پڑا۔ لیکن یہ پہلے کی طرح شدید نہیں تھا۔

تیسرا قحط

تیسرا قحط ۱۸۳۳ء کے آغاز سے ۱۸۳۴ء کے آخر تک رہا
بھوک کے سبب بے شمار انسان لقمہ اجل بن گئے تھے اور ہر طرف بے چینی پھیل گئی تھی عوام کی اکثریت اسے عذاب الٰہی سمجھ کر توبہ توبہ پکار اٹھی تھی۔ ۱۸۳۳ء کا سال مرکن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے کیونکہ مرکن نام کا پودا پہلی بارش پڑنے سے بہت زیادہ تعداد میں اُگ آیا تھا۔ اور اسے انسان اور حیوان سبھی خوشی کے ساتھ کھاتے تھے۔

چوتھا قحط

چوتھا قحط ۹۶-۱۸۹۵ء میں پڑا تھا۔ لیکن یہ پہلے قحطوں کی طرح شدید نہیں تھا کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ قحط فصل خریف سے نہیں بلکہ فصل ربیع کی کمی سے ہوا تھا۔

طاعون

پلیگ نے کالا اور جہلم پر پہلی مرتبہ ۱۹۰۴ء دوسری مرتبہ ۱۹۱۰ء اور تیسری مرتبہ ۱۹۲۴ء میں حملہ کیا تھا۔ اس بیماری کی علامت یہ تھی کہ بغل میں ایک پھوڑا نکل آتا تھا۔ اس وبائی مرض نے چند دنوں میں ہزاروں شہریوں کو موت کی آغوش میں سلا دیا تھا۔ دن میں تیس تیس جنازے نکلا کرتے تھے۔

سیلاب

مژگان تو کھول شہر کو سیلاب لے گیا

۶ اگست ۱۹۵۸ء میں دریائے جہلم میں ایک شدید ہولناک سیلاب آیا تھا۔ اس آبی طوفان کے باعث دریا کے کناروں پر جو دیہات آباد تھے۔ پانی میں ڈوب گئے اور شہر جہلم کے اکثر محلے بھی زیر آب آ گئے تھے۔ فوج کو حالات سے نپٹنے کے لئے تیار رہنے کا حکم مل گیا تھا۔ شہر کے وہ علاقے جو سیلاب کی لپیٹ میں آ گئے تھے۔ وہاں سے آبادی کا انخلاء شروع ہو گیا تھا۔ اس موقع پر پاک فوج نے شہریوں کے جان و مال کے تحفظ کیلئے بڑی سرگرمی کا مظاہرہ کیا تھا۔ جہلم کے شہر کا رابط راولپنڈی اور لاہور سے منقطع ہو گیا تھا۔ بازاروں میں کشتیاں چل رہی تھی۔ جی ٹی روڈ اور ریلوے روڈ پر چار سے ساڑھے چار فٹ تک پانی بہہ رہا تھا۔ نیا بازار پانچ فٹ پانی میں ڈوبا ہوا تھا مین بازار اور غلہ منڈی میں اڑھائی سے تین فٹ تک پانی بہہ رہا تھا۔

دریائے جہلم سے پانی کا اخراج سات لاکھ تیس ہزار کیوسک تھا۔ عوام کا خیال

ہے کہ اس سے پیشتر اتنا بڑا سیلاب ۲۹۔۱۹۲۸ء میں آیا تھا۔ ماضی کے اس آبی طوفان کا نقشہ کالا کے مشہور شاعر منشی اللہ دتہ مرحوم نے یُوں کھینچا تھا۔

لنگھ کے فورا بازار وچوں منڈی وچ پانی بھنڈی پان لگا
ایہہ چور ایسا منہ زور ہے سی مالک سامنے مال چران لگا
سوجی، ساؤگی، گری بادام پستہ اکو بھاہی سب تلان لگا
نکل منڈیوں فیر بازار آکے گرم روٹیاں بوٹیاں کھان لگا
معیلے والیاں دے جھگے سیل کر کے بگے والیاندے کو ٹھے ڈھان لگا
اللہ دتیا آکھن لوگ سن کے شاعر مفت کیوں مغزکھپان لگا

ٹڈی دل

جہلم پر ٹڈی دل کی یورشیں ۵۹۔۴۲۔۱۹۴۱ء میں ہوئیں۔ اور آخری حملہ ۱۹۶۱ء میں ہوا ٹڈی دل کھیتوں کا صفایا کر گیا اور درختوں کے پتوں کو چٹ کر کے ٹنڈ منڈ کر گیا۔

اس موقع پر جہلم کے بچوں خصوصا طلبا نے گھبرا کر ٹڈی دل پر جوابی حملہ کر دیا تھا یہ ایک امر واقع ہے کہ ٹڈی دل کو ہلاک کرنے میں سکولوں کے طلباء نے بڑی سرگرمی کا مظاہرہ کیا تھا۔ جس پر وہ مخلصانہ تحسین کے مستحق ہیں۔

۔ آثار قدیمہ کے ماہر منڈا قبائل کو آسٹریلیا کی قدیم نسل سے منسلک کرتے ہیں جو کسی زمانے میں نیوزی لینڈ سے لے کر پنجاب تک پھیلی ہوئی تھی۔ منڈا قبائل کا گروہ کول جیل انتھال کوردا اور ساودا قبیلوں پر مشتمل تھا۔

آریہ قوم نے اپنے قومی نام کی رعایت سے ہی فارس کا نام ایران رکھ دیا۔ ۲۔ اس امر پر مورخین کا اتفاق ہے کہ آریہ قوم کی پہلی جولاں گاہ وادی جہلم تھی اور قصر پنجاب کا پہلا دروازہ جہلم تھا۔ اس دور میں جہلم سے لے کر قندھار تک پھیلے ہوئے علاقہ کو گندھارا کہا جاتا تھا اور مسلمانوں کی ہند میں آمد کے بعد اس کا نام وادئی نیلاب پڑ گیا ۳۔ نیک اور اچھا زمانہ

نمبر۲ سراج التواریخ میں ناطق صاحب نے لکھا ہے کہ ہری بھرتری گورکھ ناتھ کا چیلہ تھا۔ میں آگے چل کر ناتھ جوگیوں کے سلسلے میں اس امر پر ذرا تفصیل سے روشنی ڈالوں گا۔

رگ وید کے بعد جو اہم کتاب پنجابی زبان میں لکھی گئی وہ "وڈکہا" یا "بر ہست کتھا" کہلاتی ہے وڈکہا پشاچی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی پنجابی میں وڈی کہانی کے ہیں۔ اس کتاب کا مصنف گناڈ ہے یا گوناڈیہ ضلع جہلم کا رہنے والا تھا یہ کتاب پشاچی زبان میں اب ناپید ہے لیکن اس کے سنسکرت ترجمے موجود ہیں۔

ازاحمد سلیم" پاکستانی ادب" شمارہ ۳ مارچ ۱۹۷۵ء

اس سے ثابت ہوا کہ قدیم پنجابی زبان میں نثر کی پہلی کتاب بھی جہلم کی وادیوں میں تصنیف ہوئی ہے۔

نیز یونانی زبان میں ایک مہلک جنگی ہتھیار کا نام بھی جہلم ہے اس لئے یہ امر قرین قیاس ہے کہ سکندر نے وہ جنگی ہتھیار پورس سے جنگ کرنے کے دوران استعمال کیا ہو۔ اور پھر پورس پر فتح پانے کے بعد اسی ہتھیار جہلم کی نسبت سے اس بستی کا نام بھی جہلم رکھ دیا ہو۔ جو اس نے پورس پر فتح پانے کی خوشی میں بسائی۔ اور جسے مورخین کی اکثریت موجودہ شہر جہلم قرار دیتی ہے۔

مولانا سعید محمد دہلوی نے اپنی تصنیف "ابوبکر صدیقؓ" میں جہلم کو یونانیوں کا ایک مہلک ترین جنگی ہتھیار بتایا ہے جسے یونانیوں نے اسلامی لشکر کے خلاف استعمال کیا تھا۔

لغوی معنوں میں ذرہ بکتر کو جہلم کہتے ہیں

دھنی ادب ثقافت صفحہ نمبر ۲۵۶ انور بیگ اعوان

جہلم چھاؤنی کے بزرگ سردار محمد عظیم پنجابی ' اردو' فارسی اور انگریزی زبان پر مکمل عبور رکھتے ہیں اور تاریخی کتابوں کا مطالعہ ان کا دلچسپ مشغلہ ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے متعدد انگریزی کتابوں میں پڑھا ہے کہ سکندر نے نالہ بھنڈنا سے دریا کو عبور کیا تھا اور کھڑی کا علاقہ میدان جنگ بنا تھا

بہت کم لوگ اس بات کو جانتے ہوں گے کہ جہلم کے ۳۳ ہزار سپوتوں نے ڈیڑھ لاکھ غیر ملکی حملہ آوروں کا اتنی بہادری سے مقابلہ کیا کہ سکندر کی فوج نے مزید لڑنے سے انکار کر دیا کیونکہ سکندر کی فوج کو پہلی بار ایک حقیقی اور خونریز جنگ لڑنا پڑی تھی۔ اس طرح یہ جنگ سکندر کی شکست ثابت ہوئی اور جس سے دنیا کو فتح کرنے کا اس کا خواب پورا نہ ہو سکا۔

یہ سنگی ستون محکمہ آثار قدیمہ کے کارکنوں کو کالا گوجراں کی رانی سدا کور کے محل "اٹاری" سے برطانوی عہد میں دستیاب ہوا تھا۔ رانی سدا کور مہاراجہ رنجیت سنگھ کی ساس تھی۔

سکندر کی وفات کے بعد اس کے تمام جرنیلوں نے خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا اور یونان کے جرنل کے لڑکے کینڈر نے سکندر کی ماں اور اس کی باختری بیوی روسنگ (رخسانہ) اور اس کے بیٹے کو ہلاک کر ڈالا

۳۱۰ قبل مسیح سکندر کے جنرل انیٹی پیسر کے بیٹے کیسنڈر CASSANDER نے سکندر کی ماں اولیپیاس سکندر کی باختری بیوی رخسانہ (دخترنور) اور اس کے بارہ سالہ بیٹے کے ہاتھ پاؤں باندھ کر انہیں دریا میں پھینک کر ہلاک کر ڈالا تھا۔ (سکندر اعظیم۔ ترجمہ مولانا غلام رسول مہر)

سکندر مقدونی کی وفات بابل کے شہر "بخت نصر" کے محل میں ملیریا کے سبب ہوئی۔ (ماخوذاز

سکندر اعظم ترجمہ مولانا غلام رسول مہر)

غوری کو پنڈدادنخان ضلع جہلم میں دھمیک کے مقام پر کسی کافر گکھڑ نے شہید کر دیا تھا۔ محمد یعقوب طارق نے اپنی کتاب تاریخ گکھڑاں میں لکھا ہے کہ سلطان کو حسن بن صباح کے ایک بد طینت فدائی نے چھرا مار کر شہید کیا تھا

ظہیرالدین بابر کی خود نوشت تزک بابری سے معلوم ہوتا ہے کہ بابر کو جہلم بہت پسند تھا خصوصا کلر کہار کا علاقہ' اس علاقہ میں اسی نے ۹۱۵ ہجری میں ایک باغ' باغ کے نام سے لگوایا تھا کلر کہار' باغ صفا' تحت بابری اور یخ ہو ہاؤ کے سبب ایک تفریحی' مذہبی اور تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔

محمود غزنوی کے زمانے میں شاہ کابل خان قوم مغل کیانی ایران سے ہجرت کر کے غزنی آیا اور کچھ مدت بعد کابل میں آکر مستقل طور پر سکونت پذیر ہو گیا اس کا ایک بیٹا بڑا بہادر منچلا تھا جس کا نام گکھڑ شاہ تھا۔ وہ کابل سے اچھی خاصی جمعیت لے کر پوٹھوار کے علاقہ میں آ گیا اس وقت پوٹھوہار پر کشمیر کا ایک پنڈت راجہ حکمرانی کرتا تھا گکھڑ شاہ اور اس کے ساتھی بڑے جنگجو تھے انہوں نے کشمیری پنڈت راجہ کو میدان جنگ میں شکست دے کر پوٹھوہار پر قبضہ کر لیا اور موضع وانگلی کو پوٹھوار کا دارالخلافہ بنایا۔ گکھڑ شاہ کے جانشینوں میں سارنگ' بیج خاں' جہان خان' مومن خان' سوار خان' بودھا خان' راجگان گزرے ہیں انہوں نے تقریبا سات سو برس تک جہلم سے اٹک تک حکمرانی کی ہے۔

ٹاہلیاں والا

اب شاہ پور کی بجائے سرگودھا ضلع ہے

سکندر نے شاید اس شہر کا نام جہلم رکھا تھا کہ یونانی زبان میں جہلم ایک خطرناک جنگی ہتھیار کا نام

ہے۔ اور سکندر نے یہ ہتھیار پورس کے خلاف میدان جنگ میں استعمال کیا تھا۔ مولانا محمد سعید دہلوی نے اپنی تصنیف ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں یونان کے جہلم نامی جنگی ہتھیار کا ذکر کیا ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جدید جہلم شہر کے بانی ملاح یعنی کشمیری ہانجی تھے۔

سکھوں کا دوسرا قلعہ لالہ زار کالونی کے قریب واقع تھا جس کے نشانات اب بھی موجود ہیں

چھاؤنی والے گرجا گھر اور ملٹری ہاسپٹل کا ذکر میں گزشتہ اوراق میں کر آیا ہوں

حسن پہاڑیا ایک نیم پاگل انسان تھا جب کوئی شخص اسے چھیڑتا تھا تو وہ بلند آواز سے کہا کرتا تھا کہ "سچ اے کھسی دلے کی"

تحریک خلاف ۲۔ وائس چیئرمین بلدیہ جہلم

سیالکوٹ چھاؤنی میں یہ کنواں اب بھی موجود ہے پاکستان بننے سے پہلے ہندو عورتیں جو اولاد سے محروم ہوتی تھیں اس کنوئیں کا پانی پینے کے لئے دور دور سے آیا کرتی تھیں۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اس کنوئیں کا پانی پینے سے بانجھ پن کا مرض دور ہو جاتا ہے۔

راجہ رسالو پنجاب کا ایک بہادر اور مشہور راجہ ہوا ہے۔ یہ جب کوہستان نمک کے علاقہ کو تسخیر کرنے کی غرض سے جہلم آیا تو پہلے ٹلے پہنچ کر گورکھ ناتھ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔

یاد رہے کہ تلہ گنگ اب جہلم کی تحصیل نہیں ہے

شیخ نتھا ۱۹۶۰ء میں جہلم کی ایک مشہور شخصیت تھا۔ ۲۔ Gorri

گجر برادری میں شادی کے موقع پر ان کے میراثی اب بھی یہ کہاوتی شعر پڑھتے ہیں

گجر نسل سکندری، اک دوجے تھیں خان　　　گوجری ورثہ گجراں رب رکھے امن امان

کہنہ کھیڑا ضلع حصار سے تھوڑے ہی فاصلے پر واقع تھا۔

شورسینی قوم ایک قدیم بہادر قوم کا نام ہے۔ سری کرشن اسی قوم کے فرزند تھے شور باپ کا نام اور سینی بیٹے کا ان دونوں ناموں کے مرکب سے "شورسینی" لفظ بنا ہے

گکھڑ قوم کے افراد راجہ کہلاتے ہیں

اصل میں چوہدری کوئی ذات نہیں بلکہ ٹائٹل ہے۔

اس جھیل کا نام "ستی سر" تھا

یہ نام "آئینہ کشمیر" سے لئے گئے ہیں

بقول جناب محمد عبداللہ قریشی مصنف "آئینہ کشمیر"

کشمیریوں کی گوتیں اور ان کی وجہ تسمیہ کے کوائف "گلشنِ کشمر" "آئینہ کشمیر" اور تاریخ کشمیر" سے اخذ کئے گئے ہیں ۔

شاعر احمد یار میاں محمدؒ کے ہم عصر تھے۔

بوستان قلندری میاں محمد صاحبؒ کی فارسی تصنیف "تذکرہ مقیمی" کا اُردو ترجمہ ہے اور یہ ترجمہ ٹھیکیدار محمد جہلمی نے کیا تھا
حجرہ شاہ مقیم والے

کچھ مصنف اس کا نام "پاربتی" بتاتے ہیں

اچھا ناتھ جوگی کالا کے جوگی شام ناتھ کے پیر تھے

سلطان پور۔ اب شیخوپورہ بن گیا ہے۔ اور اسے اسد پورہ بھی کہتے ہیں یہ مقام جہلم میں شیعان علی کا گڑھ ہے
سنسکرت زبان میں رہتاس سفید انڈے کو کہتے ہیں شاید اسی لئے قلعہ رہتاس کی بناوٹ انڈے کی مانند ہے

اس سکول کا نام فٹز پیٹرک سکول تھا

محکمہ آثار قدیمہ کو یہ سنگی ستون کالا گوجراں کی رانی سدا کور کے محل اٹاری سے ملا تھا
آئینہ گجرات کے مصنف شیخ کرامت صاحب لکھتے ہیں۔ گجرات بہت پرانا شہر ہے زمانہ ماضی میں ایک دفعہ دریائے چناب میں زبردست طوفان آیا تھا اور سارا شہر سیلاب کی نذر ہو گیا تھا نیا شہر مغل فرمانروا جلال الدین اکبر نے آباد کیا تھا۔

زمان شاہ ولد تیمور شاہ ولد احمد شاہ ابدالی جب زمان شاہ آخری بار سکھوں کی سرکوبی کے بعد واپس ایران جا رہا تھا تو اس کے چند توپیں دریائے جہلم میں پھنس گئی تھیں۔ جنہیں رنجیت سنگھ نے نکلوا کر ایران بھجوا دیا تھا۔ اس کے صلے میں زمان شاہ نے پنجاب کا علاقہ رنجیت سنگھ کو دے دیا تھا۔

چوہدری عبدالرحیم ایک ایسے سنگین جرم کا مرتکب ہوا کہ غداری کی بدنامی اس کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ بن گئی تفصیل کے لئے مکراج کی تاریخ رہتاس محمد یعقوب صاحب کی تاریخ گکھڑاں اور گزیٹیئر ضلع جہلم مطبوعہ ۸۴-۱۸۸۳ء ملاحظہ فرمائیں۔

یہ باؤلی چک جمال روڈ پر لب سڑک مغرب کی طرف واقع ہے۔
یہ جماعت کالا کے ہندوؤں نے کالا کی فلاح و بہبود کے لئے بنائی تھی۔ ان پڑھ لوگ اسے "سیوا سنتی" کہتے ہیں

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ منڈی سردار تن سنگھ کے لڑکے شیر سنگھ نے بنوائی تھی لیکن تحقیق کے مطابق سکھ راج کے خاتمہ کے بعد برطانوی دور میں تن سنگھ اس منڈی کا مالک بن گیا تھا اور اس کے بعد اس کا لڑکا شیر سنگھ ۔

یہ نام قاضی غلام نبی صاحب کی تصنیف "تاریخ گرجھاکھ" سے لئے گئے ہیں

جناب منظور الحق ڈار صاحب ایک قابل وکیل ایک بہترین دوست ایک اچھے پڑوسی ہیں جب ان سے اس کتاب کے سلسلے میں بات چیت ہوئی تو انہوں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ کالا گجراں میں میرا جنم ہوا بلکہ جناب منظور الحق جناب اقبال کوثر جناب چوہدری الیاس اور بہت سے بچپن کے دوست آج اپنے اپنے خیالات کا اظہار کر رہے ہیں تو کالا گجراں کے محل وقوع آبادی وغیرہ کا بڑی تفصیل سے عرض کر چکا ہوں لیکن پھر بھی تشنگی سی محسوس ہوتی ہے۔ کالا گجراں کے متعلق جناب منظور الحق ڈار کے خیالات کچھ یوں ہیں۔

ضلع جہلم میں سوہاوہ الگ تحصیل بن جانے کے بعد اب تحصیل جہلم میں سب سے بڑا قصبہ کالا گجراں ہے جبکہ قبل ازیں کالاگجراں اور سوہاوہ تحصیل جہلم کے بڑے قصبے تھے۔

کالا گوجراں دراصل ابتداً صرف کالا تھا جیسا کہ کالا ریلوے اسٹیشن اور "کالا سی اوڈی" سے ظاہر ہے۔ قدیم تواریخ اور گزٹیئر میں بھی اس قصبے کا نام "کالا" ہی لکھا گیا ہے۔ یہ کالا کالا گوجراں یا کالا گجراں کیسے بنا؟

اس امر کی وضاحت احقر کو سردار محمد عظیم صاحب کی زبانی معلوم ہوا جو کہ بوقت روایت خود تقریباً بانوے برس کے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ یہ واقعہ ان کی ابتدائی زندگی کے دوران واقع ہوا کہ کالا اور موضع کالا دیو کی ڈاک کا اختلاط ہو جاتا تھا اور لوگ اکثر پریشانی کا شکار رہتے تھے اس دقت کو دور کرنے کے لیے چند بزرگ زعماء نے یہ تجویز پیش کی کہ کالا دیو تو چونکہ پہلے دو الفاظ پر مشتمل ہے اور کالا صرف ایک لفظ پر تو گنجائش اس امر کی ہے کہ کالا کے ساتھ کوئی لاحقہ لگا دیا جائے جس سے امتیاز پیدا ہو سکے۔

مختلف تجاویز کے بعد کالا کو کالاگوجراں کا نام اس بنا پر دیا گیا کہ موضع کے مالکان دیہہ کے افراد گجر برادری سے تعلق رکھتے ہیں گو کہ یہ لوگ اعداد و شمار کے لحاظ سے کشمیری برادری سے انفرادی طور پر اور دیگر برادری کے مقابلہ میں مجموعی اعتبار سے کم تھے۔

کالا کو تاریخ اور معاشرتی اعتبار سے ہمیشہ مرکزی مقام حاصل رہا ہے۔ یہ قصبہ چونکہ اب میونسپل کمیٹی کی حدود میں گزشتہ بیس سال سے آگیا ہے ضلعی صدر مقام سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر ہے لیکن اس کی مرکزی حیثیت اور اہمیت کا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ اس میں سے بارہ سڑکیں اندر کو آتی ہیں جو اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ یہ مقام سیاسی اعتبار سے بھی مرکز رہا ہے۔ سکھوں کے دور حکومت میں یہ ایک پرگنہ کا صدر مقام تھا جو کہ اٹاری نامی ٹیلہ کی جگہ اب بھی اس امر کی تائید کرتا ہے۔

یہ دھرتی اپنی مرکزی حیثیت کے علاوہ بڑی مردم خیز رہی ہے جہاں پیر عظمت ولیؒ کا قدیم مزار اقدس نور بار ہے جہاں پر میاں نواب دینؒ صاحب عبدالحمید خضری صاحب صدرالدین شاہؒ صاحب جل شاہ صاحب اور دیگر بزرگان بھی محواستراحت ہیں اس دھرتی کی مٹی نے بین الاقوامی سطح کے مزدور لیڈر مرزا محمد ابراہیم کو جنم دیا شعرا میں سے درشن سنگھ آوارہ، مہتہ مسکین چند صوفی محمدالدین زار، اقبال کوثر، یوسف جہلمی، اختر ضیائی، طرب صدیقی وغیرہ اس دھرتی کے سپوت ہیں عسکری میدان میں سردار محمد عظیم کے صاحبزادگان میجر جنرل ریاض عظیم، لفٹیننٹ جنرل اعجاز عظیم کافی شہرت کے حامل ہیں۔ اور جنرل جگجیت سنگھ اروڑہ بھی کالا ہی سے تعلق رکھتا تھا اس طرح تعلیمی میدان اور دیگر شعبہ ہائے زندگی میں کالا کے باسیوں نے نمایاں حیثیت حاصل کی۔

جہلم کے نواح میں جو بڑے بڑے میلے لگتے ہیں ان میں سے ایک بڑا میلہ کالا میں پیر عظمت ولیؒ کی درگاہ پر لگتا ہے گو کہ یہ میلہ باقاعدگی سے ہر سال موسم گرما میں لگتا ہے لیکن امتداد زمانہ سے کافی حد تک سکڑ چکا ہے۔ اس میلہ میں مختلف کھلیوں کا مظاہرہ ایک مستقل روایت ہے جن میں سب سے بڑا کھیل کبڈی ہے اور یہ طے شدہ بات ہے کہ پورے ضلع جہلم کی جو کبڈی ٹیم تشکیل پاتی اس میں سے نصف سے زائد کھلاڑی صرف کالا سے ہوتے تھے۔ یہ روایت قریب قریب اب بھی قائم ہے۔ سماجی سرگرمیوں میں بھی یہاں کے لوگ پیش پیش رہتے ہیں۔ گزشتہ چند سالوں سے نوجوان نسل نے ایک بہت ہی فعال تنظیم "جواں دوست تنظیم" کے نام سے قائم کر رکھی ہے جس نے ادبی سماجی اور اخلاقی میدان میں کافی کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔

کالا کے باسیوں کو مذہب سے بھی کافی لگاؤ ہے۔ یہاں صرف حنفیہ مسلک کی دس جامع مساجد ہیں جن میں باقاعدہ جمعہ کی نماز پڑھائی جاتی ہے جس کے علاوہ جامع مسجد شیعہ مسلک کی، ایک جامع مسجد اہلحدیث کی بھی موجود ہے۔

کالا کے اردگرد صنعتوں کا حصار ہے بڑی فیکٹریوں میں ٹیکسٹائل ملز، سگریٹ فیکٹری، فلور ملز، پلائی وڈ، چپ بورڈ اور دیگر چھوٹی صنعتوں میں پوری سمال انڈسٹری اسٹیٹ موجود ہے۔ اس صنعتی حصار نے کالا کی اہمیت اور بڑھادی ہے اور اس وجہ سے بھی لوگ پہلے سے کہیں زیادہ بیدار مغز اور باشعور ہیں۔

اکثر لوگ کہتے ہیں کہ کئی اعتبار سے لاہور اور کالا گوجراں میں مماثلت ہے کہ اولاً تو ان دونوں جگہ میں ہر طبقے کے لوگ اپنی اعلیٰ صلاحتوں کے ساتھ پائے جاتے ہیں اور ثانیاً جو بھی اجنبی ان دونوں

مماثلت ہے کہ اولاً تو ان دونوں جگہ میں ہر طبقے کے لوگ اپنی اعلی صلاحتوں کے ساتھ پائے جاتے ہیں اور ثانیاً جو بھی اجنبی ان دونوں جگہوں پر کچھ لمحے کے لیے رہائش اختیار کرتا ہے۔ یہیں کا ہو کر رہ جاتا ہے ان باتوں میں واقعی صداقت بھی ہے۔ غالبا کالا کی آبادی بہ اعتبار مردم شماری و خانہ شماری بڑھ جائے گی یہ بھی ایک وجہ ہے۔

عکس ریز

الحاج مقبول حسین بھٹی آبائی طور پر کالا گوجراں سے تعلق رکھتے ہیں جو جہلم شہر میں شامل اور اس سے ملحق ایک مشہور قصبہ ہے، اس لحاظ یہ میرے ہم وطن ہیں،ہم وطن ہونے کے علاوہ یہ میرے دیرینہ مخلص دوست ہیں اب یہ طویل عرصے سے بہ سلسلہ معاش اپنے بال بچوں سمیت ڈنمارک میں مقیم ہیں۔

تاہم سرزمین وطن کی محبت اکثراوقات انہیں جہلم میں کھینچ لاتی ہے۔ ڈنمارک میں یہ کئی رفاہی تنظیموں کے عہدیدار یا ممبرہیں وہاں کے اردو ادبی حلقوں سے وابستگی کی بناء پر یہ تخلیق نظم ونثر کی طرف مائل ہوئے اور اپنی تسکین ذوق کے لئے وقتاً فوقتاً ان حلقوں میں یا ان کے زیراہتمام منعقدہ ادبی تقریبات میں اپنی نثری اور شعری تخلیقات بھی پیش کرتے رہے۔ پھر بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نسبتاًزیادہ مناسبت طبع نثر سے ہے اسلامی شعائر سے بھی گہری وابستگی رکھتے ہیں کئی بارہاحج اور عمرے اور روضہ رسول پر حاضری کی سعادتیں سمیٹنے کے علاوہ دیگر مختلف مقامات پر اکابر اسلام اور اولیائے کرامؒ کے مزارات کی زیارتوں سے بھی مشرف ہوچکے ہیں اسلام سے وابستگی کے ناتے یہ دو دینی کتابیں حجاج کرام کی رہنمائی کے لیے مرتب کرچکے ہیں۔ جب کہ "آئینہ جہلم" ان کی مرتب کردہ تیسری کتاب ہے۔

اس سے پہلے کئی ایک مصنفین تاریخ جہلم یا احوال جہلم کے مواد پر مشتمل اپنی کتابیں پیش کر چکے ہیں ان میں سے دو معلومہ انگریزی دور حکومت میں سرکاری سرپرستی میں لکھی گئیں جو اپنے ادوار کے لحاظ سے خاصی مبسوط و مفصل کوائف کی حامل قرار دی جاسکتی ہیں۔ بعدمیں کئی حضرات جہلم کے سلسلے میں کچھ لکھنے کی ٹھان کر ہی رہ گئے اور مدت مدید

تک جہلم کے تاریخی واقعات پر کوئی نیا وقیع کام سامنے نہ آسکا البتہ بہت دیر کے بعد برسوں پہلے غالباً ۱۹۸۶ء میں "تذکرہ جہلم" کے نام سے کالا گوجراں ہی کے ایک دانشور محمد الدین زار کی ایک پیشکش سامنے آئی جس کے بارے میں قارئین مختلف الرائے تھے مختلف گوشوں سے واقعات کی عدم صحت فنی و تحقیقی مواد کی افراط وتفریط اور مختلف علاقہ ہائے جہلم کے معلوماتی کوائف کو نظرانداز کرنے اور اس طرح کے دیگر اعتراضات بھی وارد ہوئے بہر حال مجموعی حیثیت سے اس کو ایک" قدر غنیمت " کے طور پر قبول کیا گیا اور کتاب کے صحیح واقعاتی و تحقیقی مواد کی حد تک مصنف کی کاوش کو ضرور سراہا گیا۔ اس کتاب کے متعلق اب یہ شنید ہے کہ یہ عام بازار میں تقریباً نایاب ہے بلکہ خود مصنف کے پاس بھی کوئی جلد محفوظ نہیں اس لحاظ سے ایک عرصے سے ایسی کتاب کی کمی محسوس کی جارہی تھی جو جہلم کے خاص واہم پہلوؤں کے تاریخی احوال وکوائف کو محیط ہو۔

ہر چند کہ تذکرہ جہلم کے مصنف کا خیال تھا کہ اس تصنیف پر کئے جانے والے مناسب وجائز اعتراضات اور جن اغلاط و اسقام کی انہیں صحیح نشاندہی کرائی گئی ہے یا جنہیں مصنف نے ازخود محسوس کیا ہے وہ دوسرے ایڈیشن میں دور کر دئے جائیں گے لیکن ابھی یہ نوبت نہیں آئی تھی کہ مقبول حسین بھٹی کی کتاب کی آمد آمد کا اعلان ہوا اگرچہ انہیں اعتراف ہے کہ یہ کتاب ان کی کوئی باقاعدہ اپنی تحقیقی تخلیق نہیں بلکہ اصل میں یوں کہنا چاہیے کہ یہ مختلف کتابوں اور تاریخی حوالوں کے اقتباسات کی ایک کاوش مرتب ہے جو صاحب کتاب کے ہاتھوں سرانجام پائی تو اس اعتبار سے بھی وہ ازحد تحسین کے مستحق ہیں انہوں نے جہلمی ہونے کے ناتے اپنی انتہائی مصروفیات کے باوجود اس کو مرتب کرنے کا

دردسر لیا اس میں بیسیوں دوسری کتابوں یا رسائل وجرائد کے علاوہ زیادہ تر تذکرہ جہلم کے اقتباسات پر انحصار کیاگیا ہے ۔مقبول صاحب اپنی کاوش پر میری رائے لینے سے پہلے مجھ سے پڑھوانا چاہتے تھے لیکن اس کی جو کتابت شدہ کاپیاں وہ میرے سامنے رکھنا چاہتے تھے وہ طباعت کے لئے پریس کی پلیٹوں پر منتقل ہورہی تھیں اس لیے مجھے یہ موقع نہ مل سکا کہ میں ان کو پڑھ کر کوئی صحت وتعین سے رائے قائم کر سکتا اور بھٹی صاحب کو اس ضمن میں بہ توفیق علم کسی مناسب صحت واصلاح یا اضافہ تحریف کا مشورہ دینے کی اہلیت میں ہو تا بہر حال مجھ سے انہوں نے جس سلسلے کی قلمی معاونت چاہی میں نے اسی حد تک ان کے کام آنے کی مقدور بھر سعی کی ہے مجھے اندیشہ ہے کہ مذکورہ پیش رو کتاب میں جس طرح اسقام رہ گے تھے اس کتاب میں بھی نہ درآئے ہوں ۔ باقی رہی نا تکمیلیت تو تکمیل کا دعویٰ کوئی کر بھی کیا سکتا ہے۔ عدم تکمیل کوشش ناتمام ہی مثبت نقطہ نظر ہے کہ ہر چیز اسی سے زندہ اور لائق ضرورت ہے

؎ جو بھی ہے تشنہ تکمیل ضرورت ہے وہی

جیسا کہ بھٹی صاحب نے مجھ بتایا یہ امر میرے لیے انتہائی باعث مسرت واطمینان ہے کہ انہوں نے پہلے ہی اس کتاب کے مسودات سید ضمیر جعفری عزیز ملک اور جمیل یوسف جیسے مخلص وممتاز صاحبان قلم کی نگاہائے دوربین و دروں بین میں سے گزروالئے ہیں اور انہوں نے ان کی اس کاوش کو بالاستیعاب پڑھ کر نہ صرف اس کی تحسین وتعریف فرمائی ہے بلکہ اسے انسب قرار دیتے ہوئے اس کی جلد اشاعت پر زور دیا ہے

ایک کتاب کی اشاعت کے بعد اصل بات عوام یا خواص کی سطح پر اس کی پذیرائی کی ہوتی ہے اور مجھ یقین ہے کہ یہ کتاب اپنے موضوع

کے اعتبار سے بالعموم سب کے لیےاور بالخصوص علاقہ جہلم سے تعلق رکھنے والے ہر شعبہ کے عوام وخواص میں وسیع طور پر بار پائے گی کہ ایسی کتاب کی طلب وضرورت ہر طرف اور ہر گوشے میں پائی جاتی ہے۔ بھٹی صاحب کسی بھی اہل طلب کو یہ کتاب پیش کرتے ہوئے بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ

زاں دفتر گلم کہ بہبا غم بہار است
جزوے سپار مت کہ زمن یادگار است

اقبال کوثر

جناب منظور الحق ڈار صاحب ایک قابل وکیل ایک بہترین دوست ایک اچھے پڑوسی ہیں جب ان سے اس کتاب کے سلسلے میں بات چیت ہوئی تو انہوں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ کالا گجراں میں میرا جنم ہوا بلکہ جناب منظور الحق جناب اقبال کوثر جناب چوہدری الیاس اور بہت سے بچپن کے دوست آج اپنے اپنے خیالات کا اظہار کر رہے ہیں تو کالا گجراں کے محل وقوع آبادی وغیرہ کا بڑی تفصیل سے عرض کر چکا ہوں لیکن پھر بھی تشنگی سی محسوس ہوتی ہے۔ کالا گجراں کے متعلق جناب منظور الحق ڈار کے خیالات کچھ یوں ہیں۔

ضلع جہلم میں سوہاوہ الگ تحصیل بن جانے کے بعد اب تحصیل جہلم میں سب سے بڑا قصبہ کالا گجراں ہے جبکہ قبل ازیں کالاگجراں اور سوہاوہ تحصیل جہلم کے بڑے قصبے تھے۔

کالا گوجراں دراصل ابتداً صرف کالا تھا جیسا کہ کالا ریلوے اسٹیشن اور "کالا سی اوڈی" سے ظاہر ہے۔ قدیم تواریخ اور گزٹیئر میں بھی اس قصبے کا نام "کالا" ہی لکھا گیا ہے۔ یہ کالا کالا گوجراں یا کالا گجراں کیسے بنا؟

اس امر کی وضاحت احقر کو سردار محمد عظیم صاحب کی زبانی معلوم ہوا جوکہ بوقت روایت خود تقریباً بانوے برس کے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ یہ واقعہ ان کی ابتدائی زندگی کے دوران واقع ہوا کہ کالا اور موضع کالا دیو کی ڈاک کا اختلاط ہو جاتا تھا اور لوگ اکثر پریشانی کا شکار رہتے تھے اس وقت کو دور کرنے کے لیے چند بزرگ زعماء نے یہ تجویز پیش کی کہ کالا دیو تو چونکہ پہلے دو الفاظ پر مشتمل ہے اور کالا صرف ایک لفظ پر تو گنجائش اس امر کی ہے کہ کالا کے ساتھ کوئی لاحقہ لگا دیا جائے جس سے امتیاز پیدا ہوسکے۔

مختلف تجاویز کے بعد کالا کو کالاگوجراں کا نام اس بنا پر دیا گیا کہ موضع کے مالکان دیہہ کے افراد گجر برادری سے تعلق رکھتے ہیں گو کہ یہ لوگ اعداد و شمار کے لحاظ سے کشمیری برادری سے انفرادی طور پر اور دیگر برادری کے مقابلہ میں مجموعی اعتبار سے کم تھے۔

کالا کو تاریخ اور معاشرتی اعتبار سے ہمیشہ مرکزی مقام حاصل رہا ہے۔ یہ قصبہ چونکہ اب میونسپل کمیٹی کی حدود میں گزشتہ بیس سال سے آگیا ہے ضلعی صدر مقام سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر ہے لیکن اس کی مرکزی حیثیت اور اہمیت کا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ اس میں سے بارہ سڑکیں اندر کو آتی ہیں جو اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ یہ مقام سیاسی اعتبار سے بھی مرکز رہا ہے۔ سکھوں کے دور حکومت میں یہ ایک پرگنہ کا صدر مقام تھا جو کہ اٹاری نامی ٹیلہ کی جگہ اب بھی اس امر کی تائید کرتا ہے۔

یہ دھرتی اپنی مرکزی حیثیت کے علاوہ بڑی مردم خیز رہی ہے جہاں پیر عظمت ولیؒ کا قدیم مزار اقدس نور بار ہے جہاں پر میاں نواب دینؒ صاحب عبدالحمید خضری صاحب صدرالدین شاہؒ صاحب جل شاہ صاحب اور دیگر بزرگان بھی محواستراحت ہیں اس دھرتی کی مٹی نے بین الاقوامی سطح کے مزدور لیڈر مرزا محمد ابراہیم کو جنم دیا شعرا میں سے درشن سنگھ آوارہ، مہتہ مسکین چند صوفی محمدالدین زار، اقبال کوثر، یوسف جہلمی، اختر ضیائی، طرب صدیقی وغیرہ اس دھرتی کے سپوت ہیں عسکری میدان میں سردار محمد عظیم کے صاحبزادگان میجر جنرل ریاض عظیم، لفٹیننٹ جنرل اعجاز عظیم کافی شہرت کے حامل ہیں۔ اور جنرل جگجیت سنگھ اروڑہ بھی کالا ہی سے تعلق رکھتا تھا اس طرح تعلیمی میدان اور دیگر شعبہ ہائے زندگی میں کالا کے باسیوں نے نمایاں حیثیت حاصل کی۔

جہلم کے نواح میں جو بڑے بڑے میلے لگتے ہیں ان میں سے ایک بڑا میلہ کالا میں پیر عظمت ولیؒ کی درگاہ پر لگتا ہے گو کہ یہ میلہ باقاعدگی سے ہر سال موسم گرما میں لگتا ہے لیکن امتداد زمانہ سے کافی حد تک سکڑ چکا ہے ۔ اس میلہ میں مختلف کھلیوں کا مظاہرہ ایک مستقل روایت ہے جن میں سب سے بڑا کھیل کبڈی ہے اور یہ طے شدہ بات ہے کہ پورے ضلع جہلم کی جو کبڈی ٹیم تشکیل پاتی اس میں سے نصف سے زائد کھلاڑی صرف کالا سے ہوتے تھے ۔ یہ روایت قریب قریب اب بھی قائم ہے ۔ سماجی سرگرمیوں میں بھی یہاں کے لوگ پیش پیش رہتے ہیں ۔ گزشتہ چند سالوں سے نوجوان نسل نے ایک بہت ہی فعال تنظیم "جواں دوست تنظیم" کے نام سے قائم کر رکھی ہے جس نے ادبی سماجی اور اخلاقی میدان میں کافی کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں ۔

کالا کے باسیوں کو مذہب سے بھی کافی لگاؤ ہے۔ یہاں صرف حنفیہ مسلک کی دس جامع مساجد ہیں جن میں باقاعدہ جمعہ کی نماز پڑھائی جاتی ہے جس کے علاوہ جامع مسجد شیعہ مسلک کی ، ایک جامع مسجد اہلحدیث کی بھی موجود ہے ۔

کالا کے اردگرد صنعتوں کا حصار ہے بڑی فیکٹریوں میں ٹیکسٹائل ملز ، سگریٹ فیکٹری ، فلور ملز ،پلائی وڈ، چپ بورڈ اور دیگر چھوٹی صنعتوں میں پوری سمال انڈسٹری اسٹیٹ موجود ہے۔ اس صنعتی حصار نے کالا کی اہمیت اور بڑھادی ہے اور اس وجہ سے بھی لوگ پہلے سے کہیں زیادہ بیدار مغز اور باشعور ہیں ۔

اکثر لوگ کہتے ہیں کہ کئی اعتبار سے لاہور اور کالا گوجراں میں مماثلت ہے کہ اولاً تو ان دونوں جگہ میں ہر طبقے کے لوگ اپنی اعلی صلاحیتوں کے ساتھ پائے جاتے ہیں اور ثانیاً جو بھی اجنبی ان دونوں

مماثلت ہے کہ اولاً تو ان دونوں جگہ میں ہر طبقے کے لوگ اپنی اعلی صلاحیتوں کے ساتھ پائے جاتے ہیں اور ثانیاً جو بھی اجنبی ان دونوں جگہوں پر کچھ لمحے کے لیے رہائش اختیار کرتا ہے۔ یہیں کا ہو کر رہ جاتا ہے ان باتوں میں واقعی صداقت بھی ہے۔ غالبا کالا کی آبادی بہ اعتبار مردم شماری و خانہ شماری بڑھ جائے گی یہ بھی ایک وجہ ہے۔

عکس ریز

الحاج مقبول حسین بھٹی آبائی طور پر کالا گوجراں سے تعلق رکھتے ہیں جو جہلم شہر میں شامل اور اس سے ملحق ایک مشہور قصبہ ہے، اس لحاظ یہ میرے ہم وطن ہیں، ہم وطن ہونے کے علاوہ یہ میرے دیرینہ مخلص دوست ہیں اب یہ طویل عرصے سے بہ سلسلہ معاش اپنے بال بچوں سمیت ڈنمارک میں مقیم ہیں۔

تاہم سرزمین وطن کی محبت اکثر اوقات انہیں جہلم میں کھینچ لاتی ہے۔ ڈنمارک میں یہ کئی رفاہی تنظیموں کے عہدیدار یا ممبر ہیں وہاں کے اردو ادبی حلقوں سے وابستگی کی بناء پر یہ تخلیق نظم و نثر کی طرف مائل ہوئے اور اپنی تسکین ذوق کے لئے وقتاً فوقتاً ان حلقوں میں یا ان کے زیراہتمام منعقدہ ادبی تقریبات میں اپنی نثری اور شعری تخلیقات بھی پیش کرتے رہے۔ پھر بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نسبتاً زیادہ مناسبتً طبع نثر سے ہے اسلامی شعائر سے بھی گہری وابستگی رکھتے ہیں کئی بار حج اور عمرے اور روضہ رسول پر حاضری کی سعادتیں سمیٹنے کے علاوہ دیگر مختلف مقامات پر اکابر اسلام اور اولیائے کرامؒ کے مزارات کی زیارتوں سے بھی مشرف ہو چکے ہیں اسلام سے وابستگی کے ناتے یہ دو دینی کتابیں حجاج کرام کی رہنمائی کے لیے مرتب کر چکے ہیں۔ جب کہ "آئینہ جہلم" ان کی مرتب کردہ تیسری کتاب ہے۔

اس سے پہلے کئی ایک مصنفین تاریخ جہلم یا احوال جہلم کے مواد پر مشتمل اپنی کتابیں پیش کر چکے ہیں ان میں سے دو معلومہ انگریزی دور حکومت میں سرکاری سرپرستی میں لکھی گئیں جو اپنے ادوار کے لحاظ سے خاصی مبسوط و مفصل کوائف کی حامل قرار دی جا سکتی ہیں۔ بعد میں کئی حضرات جہلم کے سلسلے میں کچھ لکھنے کی ٹھان کر ہی رہ گئے اور مدت مدید

تک جہلم کے تاریخی واقعات پر کوئی نیا وقیع کام سامنے نہ آسکا البتہ بہت دیر کے بعد برسوں پہلے غالباً ۱۹۸۶ء میں "تذکرہ جہلم" کے نام سے کالا گوجراں ہی کے ایک دانشور محمد الدین زار کی ایک پیشکش سامنے آئی جس کے بارے میں قارئین مختلف الرائے تھے مختلف گوشوں سے واقعات کی عدم صحت فنی و تحقیقی مواد کی افراط وتفریط اور مختلف علاقہ ہائے جہلم کے معلوماتی کوائف کو نظرانداز کرنے اور اس طرح کے دیگر اعتراضات بھی وارد ہوئے بہر حال مجموعی حیثیت سے اس کو ایک" قدر غنیمت" کے طور پر قبول کیا گیا اور کتاب کے صحیح واقعاتی و تحقیقی مواد کی حد تک مصنف کی کاوش کو ضرور سراہا گیا۔ اس کتاب کے متعلق اب یہ شنید ہے کہ یہ عام بازار میں تقریباً نایاب ہے بلکہ خود مصنف کے پاس بھی کوئی جلد محفوظ نہیں اس لحاظ سے ایک عرصے سے ایسی کتاب کی کمی محسوس کی جارہی تھی جو جہلم کے خاص واہم پہلوؤں کے تاریخی احوال وکوائف کو محیط ہو۔

ہر چند کہ تذکرہ جہلم کے مصنف کا خیال تھا کہ اس تصنیف پر کئے جانے والے مناسب وجائز اعتراضات اور جن اغلاط و اسقام کی انہیں صحیح نشاندہی کرائی گئی ہے یا جنہیں مصنف نے ازخود محسوس کیا ہے وہ دوسرے ایڈیشن میں دور کر دئے جائیں گے لیکن ابھی یہ نوبت نہیں آئی تھی کہ مقبول حسین بھٹی کی کتاب کی آمد آمد کا اعلان ہوا اگرچہ انہیں اعتراف ہے کہ یہ کتاب ان کی کوئی باقاعدہ اپنی تحقیقی تخلیق نہیں بلکہ اصل میں یوں کہنا چاہے کہ یہ مختلف کتابوں اور تاریخی حوالوں کے اقتباسات کی ایک کاوش مرتب ہے جو صاحب کتاب کے ہاتھوں سرانجام پائی تو اس اعتبار سے بھی وہ ازحد تحسین کے مستحق ہیں انہوں نے جہلمی ہونے کے ناتے اپنی انتہائی مصروفیات کے باوجود اس کو مرتب کرنے کا

دردسر لیا اس میں بیسیوں دوسری کتابوں یا رسائل وجرائد کے علاوہ زیادہ تر تذکرہ جہلم کے اقتباسات پر انحصار کیاگیا ہے ۔مقبول صاحب اپنی کاوش پر میری رائے لینے سے پہلے مجھ سے پڑھوانا چاہتے تھے لیکن اس کی جو کتابت شدہ کاپیاں وہ میرے سامنے رکھنا چاہتے تھے وہ طباعت کے لئے پریس کی پلیٹوں پر منتقل ہورہی تھیں اس لیے مجھے یہ موقع نہ مل سکا کہ میں ان کو پڑھ کر کوئی صحت وتعین سے رائے قائم کر سکتا اور بھٹی صاحب کو اس ضمن میں بہ توفیق علم کسی مناسب صحت واصلاح یا اضافہ تحریف کا مشورہ دینے کی اہلیت میں ہو تا بہر حال مجھ سے انہوں نے جس سلسلے کی قلمی معاونت چاہی میں نے اسی حد تک ان کے کام آنے کی مقدور بھر سعی کی ہے مجھے اندیشہ ہے کہ مذکورہ پیش رو کتاب میں جس طرح اسقام رہ گے تھے اس کتاب میں بھی نہ درآئے ہوں ۔ باقی رہی ناتکمیلیت تو تکمیل کا دعویٰ کوئی کر بھی کیا سکتا ہے۔ عدم تکمیل کوشش ناتمام ہی مثبت نقطہ نظر ہے کہ ہر چیز اسی سے زندہ اور لائق ضرورت ہے

جو بھی ہے تشنہ تکمیل ضرورت ہے وہی

جیسا کہ بھٹی صاحب نے مجھ بتایا یہ امر میرے لیے انتہائی باعث مسرت واطمینان ہے کہ انہوں نے پہلے ہی اس کتاب کے مسودات سید ضمیر جعفری عزیز ملک اور جمیل یوسف جیسے مخلص وممتاز صاحبان قلم کی نگاہائے دوربین و دروں بین میں سے گزروالئے ہیں اور انہوں نے ان کی اس کاوش کو بالاستیعاب پڑھ کر نہ صرف اس کی تحسین وتعریف فرمائی ہے بلکہ اسے انسب قرار دیتے ہوئے اس کی جلد اشاعت پر زور دیا ہے

ایک کتاب کی اشاعت کے بعد اصل بات عوام یا خواص کی سطح پر اس کی پذیرائی کی ہوتی ہے اور مجھ یقین ہے کہ یہ کتاب اپنے موضوع

کے اعتبار سے بالعموم سب کے لیےاور بالخصوص علاقہ جہلم سے تعلق رکھنے والے ہر شعبہ کے عوام وخواص میں وسیع طور پر بار پائے گی کہ ایسی کتاب کی طلب وضرورت ہر طرف اور ہر گوشے میں پائی جاتی ہے ۔ بھٹی صاحب کسی بھی اہل طلب کو یہ کتاب پیش کرتے ہوئے بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ

زاں دفتر گلم کہ بعبا غم بہار است
جزوے سپار مت کہ زمن یادگاراست

اقبال کوثر

1442
AEENA-E-JHELUM
MAQBOOL HUSSAIN BHATTI